قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

دسمبر
1998ء

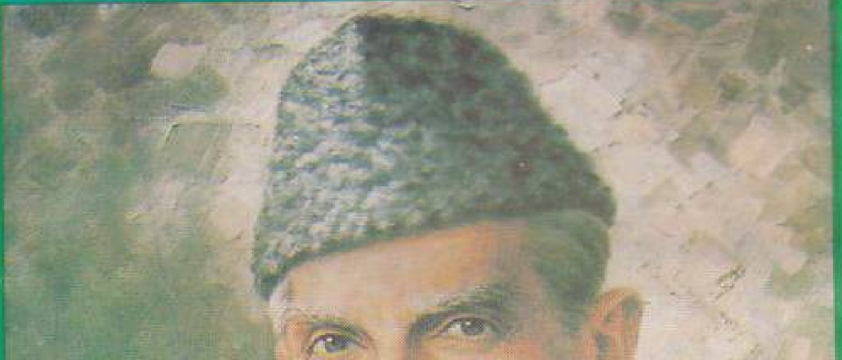

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ (1948ء -- 1876ء)

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.
OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES: 545071, 43671, 539071-73
FACTORY 550171

مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ
-/15
روپے

ٹیلیفون
5714546/6541521
idara@toluislam.com
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ II لاہور

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان ۔ 170 روپے
غیر ممالک ۔ 800 روپے

جلد 51 | دسمبر 1998 | نمبر 12

فہرست

لمعات	ادارہ	3
قائد اعظم محمد علی جناحؒ	(ادارہ)	9
ایک داعیٔ انقلاب کی راہ	علامہ غلام احمد پرویز	12
خطاب کنونشن	چیئرمین ادارہ	23
اقبال، قرآن اور پاکستان	پروفیسر فتح محمد ملک	26
اقبال اور قرآن	جنرل (ر) غلام عمر	32
اقبال اور قرآن	ڈاکٹر عبد الخالق	38
روزہ کے احکام	علامہ غلام احمد پرویزؒ	45
Tolu-e-Islam Movement an Introduction	(ادارہ)	55
روئیداد طلوع اسلام سالانہ کنونشن	محمد سلیم اختر	56

ایڈیٹر محمد لطیف چوہدری، ناشر عطاالرحمان ارائیں، مقام اشاعت 25 - بی گلبرگ II، لاہور

مطبوعہ نذیر شریف پرنٹرز، 43 ریٹی گن روڈ، لاہور

PAMPHLETS -- پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس دو روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1 اسلام کیا ہے؟
2 الزکوٰۃ
3 کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
4 کافر گری
5 سوچیو (سندھی)
6 سوچا کرو
7 اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8 الصلوٰۃ
9 مرض تشخیص اور علاج
10 مقام اقبالؒ
11 دو قومی نظریہ
12 روٹی کا مسئلہ
13 جہاں مارکس ناکام رہ گیا
14 حرام کی کمائی
15 مرزائیت اور طلوع اسلام
16 مقام محمدی ﷺ
17 خدا کی مرضی
18 دعوت پرویز کیا ہے؟
19 فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
20 قرآن کا سیاسی نظام
21 ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
22 Islamic Ideology
23 آرٹ اور اسلام
24 احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
25 ماؤزے تنگ اور قرآن
26 ہم میں کریکٹر کیوں نہیں؟
27 عالمگیر افسانے
28 عورت قرآن کے آئینے میں
29 اندھے کی لکڑی
30 بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
31 قرآن کا معاشی نظام
32 قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
33 اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
34 اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے؟
35 Is Islam a Failure
36 Why Islam is the Only True Deen?

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

1- چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر

جوں جوں تحریک طلوع اسلام کا چرچا عام ہوتا جا رہا ہے، مخالفین تحریک اپنی سرگرمیوں کو تیز کرتے چلے جا رہے ہیں۔ علامہ اقبال کے فرمان "عدو ہم یار تست" کے مصداق ہم ان حضرات کے شکر گذار ہیں کہ وہ، جہاں طلوع اسلام نہیں پہنچتا وہاں بھی اس کا پیغام پہنچا دیتے ہیں۔ یہ حضرات اپنی نجی گفتگو میں، کھلی محفلوں میں، مسجدوں میں، پبلک جلسوں میں، اخبارات میں غرضیکہ ہر جگہ صبح شام طلوع اسلام کا چرچا کرتے رہتے ہیں۔

ہر چند کہ یہ ذکر غالب کے الفاظ میں "کس کس برائی سے" ہوتا ہے لیکن ـ

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

اس مخالفت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جن طالبان حق کے کانوں میں طلوع اسلام کی بھنک پڑ جاتی ہے وہ اس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے اور اسے سمجھنے کے خواہشمند ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر حال ہی میں ہمارے ہاں کچھ اخبارات میں کویت کے حوالہ سے طلوع اسلام کی امیج کو مجروح کرنے کے لئے ایک خبر شائع کروائی گئی جس پر چند ہی دنوں میں ہمیں سینکڑوں استفسارات موصول ہوئے اور اس طرح ہمیں قرآن کا پیغام ان لوگوں تک پہنچانے کی سعادت بھی حاصل ہو گئی جن کے ساتھ اس سے قبل طلوع اسلام کا کوئی رابطہ نہ تھا۔ ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ہمارے ہاں کے افتراء پرداز یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ عوام اب اتنے بے شعور نہیں کہ ثبوت کے بغیر وہ ان کی ہر بات قبول کر لیں۔ بہرحال ہم ممنون ہیں ان فاضل علماء کے جنہوں نے طلوع اسلام کے خلاف پراپیگنڈے کے لئے برادر اسلامی ملک کویت کا انتخاب کیا تاکہ طلوع اسلام کے اردو لٹریچر کو عربی زبان میں من مانے معنی پہنا کر وہاں کے عوام کو طلوع اسلام میں دلچسپی رکھنے والے پاکستانیوں کے خلاف ابھارا جا سکے مگر شاید وہ بھول گئے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے کویت کے عوام آج نہیں تو کل یہ حقیقت جان لیں گے کہ طلوع اسلام ایسی کوئی بات نہیں کہتا جو قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ کے منافی ہو۔

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام

طلوع اسلام کے متعلق تو وہ یقیناً سمجھ لیں گے لیکن اتنی بات تو وہ جان ہی چکے ہونگے کہ دین کے ان پاکستانی خدمتگاروں نے فکری انتشار کی جو آگ اپنے ملک میں بھڑکا رکھی ہے' اس کی چنگاریاں یہ کویت میں بھی لے آئے ہیں۔ رہا طلوع اسلام تو طلوع اسلام کا مقصد و مسلک واضح اور متعین ہے۔ اسے بار بار دہرانے میں ہمیں کوئی باک نہیں۔

2- تحریک طلوع اسلام کا تعارف

(1) طلوع اسلام خالصتاً" ایک علمی و فکری تحریک ہے اور قرآن کریم کی تعلیمات اور سنت رسول ﷺ کو علیٰ وجہ البصیرت پیش کرتا ہے۔

(2) طلوع اسلام ان تمام عقائد و نظریات کا دل سے احترام کرتا ہے جو قرآن و سنت سے صحیح ثابت ہوں۔

(3) طلوع اسلام نہ تو سیاسی پارٹی ہے نہ مذہبی فرقہ اور نہ یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ ان سب سے خدا کی پناہ مانگتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک مسلمانوں میں فرقہ سازی شرک ہے۔

(4) دینی امور سے متعلق طلوع اسلام کا موقف اصولی ہے' جس سے اختلاف ممکن ہے۔ اس لئے کہ اختلاف رائے انسان کا بنیادی حق ہے۔ اسی سے فکر کی نمود اور اسی سے قلب و نگاہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ طلوع اسلام نے کبھی اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔ جو کوئی اسے اس کی غلطی پر متنبہ کرتا ہے طلوع اسلام اسے بشکریہ قبول کرتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی بات کی تائید میں قرآن کریم کی سند رکھتا ہو۔

(5) فہم قرآن کے سلسلے میں طلوع اسلام کی طرف سے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے اور انسانی کوشش کبھی سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی نہ اسے کبھی حرف آخر کہا جاسکتا ہے۔ قرآن فہمی کا سلسلہ نہ کبھی کسی دور میں ختم ہوا' نہ کسی انسان تک پہنچ کر رک سکتا ہے۔ گذشتہ چودہ سو سال کے دوران بڑے بڑے نامور اور جید علماء کرام پیدا ہوئے جنہوں نے فہم قرآن کو پہلے سے کہیں زیادہ وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے اور آئندہ بھی امت مسلمہ کی کوکھ سے ایسے عالم پیدا ہوتے رہیں گے جو فہم قرآن کو نئی رفعتیں عطا کریں گے۔ یہ ایک جوئے رواں ہے جو لامتناہی وسعتوں کا امکان رکھتی ہے۔ جوں جوں انسانی علم وسیع ہو گا قرآنی حقائق بیش از بیش بے نقاب ہوتے جائیں گے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔ ھی حتی مطلع الفجر ○

(6) احادیث شریف کے متعلق طلوع اسلام کا موقف یہ ہے کہ ایسی تمام روایات جو قرآن کریم کی

تعلیمات کے خلاف ہوں یا جن سے حضور ﷺ کی سیرت پاک داغدار ہوتی ہو یا جن سے اصحاب رسول کی مجاہدانہ اور پاک زندگیوں پر طعن پڑتا ہو وہ وضعی ہیں اور ان کو رسول اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔

(7) طلوع اسلام وضعی روایات کو امت کے لئے بہت بڑا فتنہ قرار دیتا ہے اس کے نزدیک وضعی روایات نے امت کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے اتنا تمام دشمنان اسلام مل کر بھی نہیں پہنچا سکتے۔ یہ وہ واحد فتنہ ہے جس نے امت کی وحدت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ آج پوری امت فرقوں میں بٹی ہے اور ہر فرقہ دوسرے کے خون کا پیاسا ہے کیونکہ ہر فرقہ اپنے آپ کو حق کی راہ پر اور دوسروں کو گمراہ قرار دیتا ہے اور ہر فرقے کی بنیاد قرآن پر نہیں بلکہ وضعی روایات کے اختلاف پر ہے۔ جب کہ قرآن سب فرقوں کے نزدیک متفقہ طور پر واجب الاحترام ہے۔

(8) طلوع اسلام کے نزدیک اطاعت رسول ﷺ ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ قرآن کریم اطاعت رسول ﷺ کو اللہ کی اطاعت قرار دیتا ہے اور جو لوگ اللہ اور رسول میں تفریق پیدا کرتے ہیں انہیں پکا کافر گردانتا ہے۔ ادارہ طلوع اسلام کی شائع کردہ کتاب' معراج انسانیت از غلام احمد پرویزؒ میں طلوع اسلام کا یہ نقطہ نظر وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک انتہائی بصیرت افروز اور اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے جس میں سیرت رسول ﷺ کو خالص قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

(9) طلوع اسلام ختم نبوت کو دین کی اصل اور اسلام کی اساس سمجھتا ہے اس کے مطابق حضرت محمد ﷺ' اللہ کے آخری رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔ ختم نبوت فی الحقیقت نوع انسان کی آزادی کا ایک عظیم چارٹر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ (ختم نبوت) وہ ضمانت ہے کہ جس کی رو سے انسان اپنی آزادی کی طرف سے حتمی اور یقینی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزادی کی حدود متعین کر دی ہیں اسے ان کے اندر رہ کر زندگی بسر کرنی ہوتی ہے اور یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ کوئی ان حدود میں تغیر پیدا کرے گا۔ مومنین کے لئے خوف و حزن سے مامون زندگی بسر کرنے کی اس سے بڑی ضمانت اور کیا ہو سکتی ہے۔

(10) طلوع اسلام منکرین حدیث اور نبوت کو کسی بھی شکل میں ماننے والوں کو خارج از اسلام سمجھتا ہے۔ ان باطل عقائد نے ایک ممتاز شوکت و سطوت کی حامل اور رفعت و عظمت کی بلندیوں پر فائز امت کو ذلت و مسکنت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ قرآن کی بصیرت افروز اور آفاقی تعلیمات اور رسول ﷺ کی وسعت قلب و نگاہ اور مجاہدانہ زندگی نے اس امت کو اقوام عصر کی صف اول میں لاکھڑا کیا تھا لیکن باطل تعلیمات اور نااہل قیادت نے اسے بے روح عقائد و رسومات اور توہم پرستیوں کی دلدل میں دھنسا دیا۔ اس موضوع پر ادارہ طلوع اسلام کی شائع کردہ کتب "مقام احادیث" اور

"ختم نبوت اور تحریک احمدیت" کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

(11) طلوع اسلام ایک اجتماعی کوشش کا نام ہے۔ اس کے نزدیک دین میں انفرادی فتووں کی بجائے اجتماعی فیصلوں کا پابند ہونا چاہئے' یہ روش امت میں وحدت اور استحکام کا باعث بنے گی۔

(12) طلوع اسلام کی جدوجہد کا منتہیٰ و مقصود قرآنی نظام کا قیام تھا۔ اس وقت دنیا میں ہر طرف سیکولر نظام رائج ہے۔ اس نظام میں اصول و قوانین انسانوں کے خود ساختہ ہوتے ہیں اور مقصد حیات مفاد عاجلہ کا حصول۔ ہر کوئی (افراد' گروہ' اقوام) اپنے اپنے مفادات کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ روش طبقاتی کشمکش کی بنیادی وجہ ہوتی ہے اور انسانی معاشرہ ہمیشہ فساد کی زد میں رہتاہے۔ سیکولر نظام مستقل اقدار اور حیات اخروی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسمیں انسان کی تگ و تاز کا منتہیٰ و مقصود دنیاوی لذتیں اور مسرتیں ہوتی ہیں۔ جب کہ قرآنی نظام اقدار خداوندی پر مبنی ہے اور انسان کی دنیاوی اور اخروی دونوں جہان کی زندگی پر محیط ہے۔ بنابریں جہاں سیکولر نظام صرف دنیا کی خوشگواریوں کی بات کرتا ہے وہاں قرآنی نظام دونوں جہاں کی خوشگواریوں اور نعمتوں کی یقین دہانی کراتا ہے۔

(13) قرآنی نظام یہ ہے کہ جس میں کوئی انسان کسی دوسرے کا محکوم' مطیع یا زیردست نہ رہے۔ ہر ایک سر اٹھا کر چلے۔ ہر ایک کو جسمانی' ذہنی اور قلبی آزادی حاصل ہو' اس پر قوانین خداوندی کے سوا کسی کی پابندی نہ ہو۔ اور اس طرح ہر فرد معاشرہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی چلی جائے تاکہ وہ اس کے آنے والی زندگی کی سرفرازیوں سے بہرہ یاب ہوتا ہوا اپنی ارتقائی منازل طے کرتا چلا جائے۔

(14) قرآنی نظام میں وسائل رزق اللہ کی ملکیت ہوتے ہیں اور انسانوں کے پاس بطور امانت ہوتے ہیں اس لئے ان پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ معاشرے میں ہر فرد پر محنت کرنا لازمی ہوتا ہے سوائے کمزوروں' ضعیفوں اور معذوروں کے' اور حکومت ہر محنت کش کی اجرت جس سے اس کی بنیادی ضروریات زندگی باآسانی پوری ہو جائیں یقینی بناتی ہے اور کسی کی محنت کا استحصال نہیں ہوتا۔

(15) قرآنی نظام میں لوگ اپنا زائد از ضرورت مال و دولت مفاد عامہ کے لئے کھلا رکھتے ہیں تاکہ حکومت اسے ایسے منصوبوں پر صرف کر سکے جو ملک و قوم کی حقیقی ترقی و خوشحالی کا باعث بنیں اور ان لوگوں کی کفالت بھی کر سکے جو معذور' ضعیف اور بے سہارا ہوں۔ اس نظام میں سودی کاروبار کی جگہ عطیات' قرض حسنہ اور منفعت انسانی کے کلچر کو فروغ دیا جاتا ہے۔ غیر مسلم اقوام کے ساتھ لین دین دو طرفہ تعلقات کی بنیاد پر طے پاتے ہیں۔

(16) قرآنی نظام افراد کی تعلیم و تربیت اس نہج پر کرتا ہے کہ جس سے ان میں جذبہ مسابقت حسد اور دشمنی کی بجائے باہمی رفاقت اور ربط و تعاون کا ذریعہ بن جاتا ہے لوگ خدمت کو فرض منصبی سمجھ کر سرانجام دیتے ہیں۔

(17) طلوع اسلام کی جدوجہد پوری امت مسلمہ کی جدوجہد ہے اس کے نزدیک ہر شخص قابل احترام ہے جو انسانی مفاد کے لئے کوشاں ہے اور ہر وہ عمل قابل قدر ہے جو ملک کی سلامتی اور خوشحالی کا ضامن ہے۔

(18) جو حضرات طلوع اسلام کے ان اغراض و مقاصد سے متفق ہوتے ہیں وہ مقامی طور پر اس فکر کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کی اس تنظیمی کوشش کا نام بزم طلوع اسلام ہے۔

(19) بزم طلوع اسلام کے اراکین سے نہ کوئی نیا عقیدہ منوایا جاتا ہے' نہ احکام خداوندی اور سنت رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت طلب کی جاتی ہے۔ نہ وہ کسی کو اپنا پیر و مرشد سمجھتے ہیں اور نہ میر و مطاع۔

(20) طلوع اسلام جو کچھ پیش کرتا ہے اس میں نہ کوئی راز ہوتا ہے' نہ پردہ نہ ہی کسی قسم کی جلب منفعت' یہ قرآن کریم کی تعلیمات کو سمجھنے کی انسانی کوشش ہے اس میں سہو بھی ہو سکتا ہے اور خطا بھی' جو شخص ہمیں ہماری غلطی پر متنبہ کرتا ہے۔ ہم اس کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اپنی بات کی تائید میں قرآن کریم کی سند رکھتا ہو۔

(21) طلوع اسلام کے لٹریچر کی نشرواشاعت طلوع اسلام ٹرسٹ (لاہور) کرتا ہے۔ جو کہ حکومت پاکستان کا رجسٹرڈ ادارہ ہے۔

(22) طلوع اسلام کا نقیب **"ماہنامہ طلوع اسلام"** ہے جس کا اجراء 1938ء میں حضرت علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا تھا یہ مجلّہ گذشتہ پچاس سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

○ طلوع اسلام کلام اقبال کی ایک نظم کا عنوان ہے۔

طلوع اسلام کا مختصر تعارف آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ طلوع اسلام کے متعلق آپ نے بہت کچھ سن رکھا ہو گا لیکن جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا ہے وہ نہیں سنا ہو گا۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جو لوگ دیانتداری سے تحقیق کرنا چاہیں گے ان پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ آپ طلوع اسلام کے بارے میں جو رائے بھی اختیار کرنا چاہیں اس کا آپ کو حق حاصل ہے۔ ہم نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ حقیقت صدق و عدل کے تمام تقاضوں کے ساتھ واضح ہو جائے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ ایک مسلمان کو بلا تحقیق کوئی بھی بات قبول نہیں کرنی چاہئے اس لئے کہ قیامت کے روز ہر ایک کو اپنے اعمال کا تن تنہا جوابدہ ہونا پڑے گا۔

طلوع اسلام کے اغراض و مقاصد روز روشن کی طرح عیاں ہیں ان کے علاوہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی منسوب کیا جاتا ہے وہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ ہم اللہ تعالٰی کے حضور سر بسجود دعا گو ہیں کہ وہ اپنے بے پایاں کرم سے اس جھوٹے پروپیگنڈے میں ملوث تمام حضرات پر رحمت فرمائے اور ان کی رہنمائی صراط مستقیم کی

طرف کر دے اور طلوع اسلام کو ہر شر (جہالت، افواہ، وسوسہ) سے محفوظ رکھے۔ ہر سنجیدہ اور سلیم الفطرت شخص کی طرح ہم بھی معاشرے کی روز افزوں بگڑتی صورت حال پر متفکر اور پریشان ہیں ہمارے سامنے بھی یہ تلخ حقیقت ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن کر ابھرتی ہے کہ امت رسول ہاشمیؐ اس وقت غربت، جہالت اور ذلت کے سمندر کی جن اتھاہ گہرائیوں میں غرقاب ہے اس سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہے؟ اس ضمن میں ہماری حکمت عملی سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب تک افراد معاشرہ کے دل و دماغ میں صحیح انقلاب پیدا نہیں ہو گا اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات ممکن نہیں۔ اقبالؒ کے الفاظ میں :

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

قرآنی فکر میں دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے رشحاتِ قلم کیلئے طلوعِ اسلام کے صفحات حاضر ہیں تاہم ادارہ کا مضمون نگار کی پیش کردہ فکر سے متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

قائداعظم محمد علی جناحؒ

اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند

ایسی آنکھ بمشکل مل سکے گی جو تاریکی کے جانے اور روشنی کے آنے کے درمیانی لمحہ کو بھانپ سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ہر دو مراحل کے درمیان حد فاصل ہوتی ہی نہیں۔ روشنی ایک چمک ہے' جونہی وہ پیدا ہوئی' اندھیرا غائب ہو گیا۔ خواہ وہ اندھیرا سال ہا سال کا بھی پرانا کیوں نہ ہو۔ قلب و دماغ کی دنیا میں اس کا نام انشراح صدر ہے اس میں شبہ نہیں کہ علم ہی وہ نور ہے جس کے آنے سے جہالت کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔ لیکن علم کے لئے ضروری نہیں کہ وہ انسانوں کے متعین کردہ نصاب کے چکروں سے گذر کر ہی حاصل ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو قلب سلیم اور ذہن رسا عطا فرمائے تو ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی وادی نور سے ایک بار گذرنے سے ہی اس کی نگاہوں میں وہ بصیرت پیدا ہو جائے جو حقیقت اشیاء کو بے نقاب اور رموز دین کو اس طرح بے پردہ دیکھ لے جو دوسرے کو عمر بھر کی ورق گردانی کے بعد میسر نہ آسکے۔ اس قسم کے انشراح صدر اور کشف غطاء کی بہت سی مثالیں سامنے آسکتی ہیں لیکن ان میں نزدیک ترین مثال وہ ہے جو ناخدائے کشتی ملت جناب محمد علی جناح کی نگہ حقیقت بیں میں بصیرت فرقانی بن کر چمکی۔ جناب جناحؒ کے خلاف کتاب خوان طبقہ کی طرف سے' جو اپنے آپ کو حقائق دینی کا واحد اجارہ دار سمجھتا ہے' ہمیشہ یہ اعتراض عائد کیا جاتا ہے کہ یہ مسٹر کیا جانے دین کسے کہتے ہیں؟ اس میں شبہ نہیں کہ اگر دین جاننے سے مفہوم یہ ہے کہ وہ کافیہ قطبی پڑھا ہوا ہے یا نہیں' تو بیشک مسٹر جناحؒ "دین" سے ناواقف تھے۔ لیکن اگر سوال یہ ہے کہ وہ دین کی حقیقت سے واقف ہے یا نہیں' تو بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں اپنے اس مخلص بندے کو وہ بصیرت عطا فرمائی جس کے لئے ہمارے بڑے بڑے "مدعیان علم شریعت" کو دعائیں مانگنی چاہئیں۔ ذرا غور فرمایئے کہ آج ہمارا "علماء کرام" کا طبقہ اپنے اس "علم دین" پر ناز کرتا ہے جو انہیں یہ سکھا رہا ہے کہ ہندوستان میں مغربی اصول جمہوری کی بناء پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ حکومت قائم کی جائے جس میں اکثریت کے فیصلے قانون کی حیثیت اختیار کریں' باقی رہا اسلام' سو اگر مسلمانوں کو نماز' روزہ کی اجازت حاصل ہو جائے' تو بس مقصد حاصل ہو گیا! اس کے برعکس یہ دیکھئے کہ مذہب اور اس کے لوازم کے متعلق یہ مسٹر کیا کہتا ہے اور اس کے بعد فیصلہ کیجئے کہ رموز دین سے یہ طبقہ "علماء کرام" واقف ہے یا مسٹر محمد علی جناحؒ۔

19 اگست 1941ء کو جناب جناحؒ حیدر آباد تشریف لے گئے وہاں بعض نوجوان طلباء نے ان سے کچھ سوالات کئے۔ اس مکالمہ کو مسٹر محمود علی صاحب بی۔اے (عثمانیہ یونیورسٹی) نے محفوظ کر لیا جو اورینٹ پریس کی وساطت سے شائع ہوا۔ یہ مکالمہ انگریزی زبان

میں ہو گا لیکن اخبارات میں اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔ ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے کہ دین کے متعلق مسٹر جناحؒ کے کیا خیالات تھے۔

سوال :- مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں۔

جواب :- جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا' نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے' البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی' سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں' بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔

سوال :- اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت وغیرہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

جواب :- اشتراکیت' بالشویت یا دیگر اسی قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک' دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا۔

سوال :- ترکی حکومت تو ایک مادی اسٹیٹ ہے۔ کیا اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے؟ آپ کا اس باب میں کیا خیال ہے؟

جواب :- ترکی حکومت پر میرے خیال میں مادی حکومت کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا امتیاز' سو یہ بالکل واضح ہے۔ اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کے لئے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً" نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی' نہ کسی اور شخص یا اوارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول،اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے (آپ جس نوعیت کی بھی چاہتے ہوں) بہرحال آپ کو علاقہ اور سلطنت کی ضرورت ہے۔

سوال :- سلطنت ہمیں ہند میں کس طرح نصیب ہو سکتی ہے۔

جواب :- مسلم لیگ' اس کی تنظیم' اس کی جدوجہد' اس کا رخ' اس کی راہ' سب اس سوال کے جواب ہیں۔

سوال :- جب آپ اسلامی اصول کے نصب العین اور طریق کار' دونوں میں بہترین اور برترین حکومت کا یقین رکھتے ہیں اور اجمالاً" یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خود مختار علاقے اس لئے مطلوب ہیں کہ وہاں اپنے ذہنی میلانات اور تصورات زندگی کو بلا روک ٹوک بروئے کار اور روبہ ترقی لا سکیں' تو پھر اس میں کون سا امر مانع ہے کہ مسلم لیگ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ اپنی جدوجہد کی مذہبی تعبیر و تشریح کر دے۔

جواب :- (وقت یہ ہے) کہ جب اس جدوجہد کو مذہب سے تعبیر کیجئے' تو ہمارے علماء کی ایک جماعت بغیر اس بات کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت' تقسیم عمل اور اس

کے اصل حدود کیا ہیں، ان امور کو صرف چند مولویوں کا اعادہ خیال کر لیتی ہے اور (اپنے حلقہ سے باہر) اہلیت و مستعدی کے باوجود مجھ میں یا آپ میں (یعنی کسی اور میں) اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے انہیں میں ان مولوی صاحبان میں (الا ماشاء اللہ) نہیں پاتا۔ (اور پھر مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔

ان تصریحات پر غور فرمایئے اور پھر سوچئے کہ کیا دین یہ ہے جسے "مسٹر جناح" پیش کر رہے تھے یا وہ جو خیر سے علماء کرام کی جمعیت کی طرف سے پیش کیا جا رہا تھا۔ وہ "دین" جس میں امتزاج بولہبی و مصطفوی سے ایک ایسی متحدہ قومیت کی تشکیل کی جا رہی تھی جس کی آزادی میں طاغوتی اکثریت کا نظام حکومت کارفرما ہوتا۔ اس کے برعکس "مسٹر جناح" کا دین یہ تھا کہ "اطاعت و وفا کیشی میں مرجع صرف خدا کی ذات ہے اور اس کی تعمیل کا مرکز قرآن کریم کے احکام۔ مسلمان نہ کسی بادشاہ کا محکوم ہو سکتا ہے نہ پارلیمان کا، نہ کسی شخص کا نہ ادارہ کا، بلکہ وہ صرف اپنے خدا کا محکوم ہو سکتا ہے، اس لئے اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی احکام و اصول کی حکومت ہے" اور یہی وہ حکومت ہے جس کے لئے مسلم لیگ برسرپیکار ہے۔ وہ ہیں "علمائے کرام" یہ ہے مسٹر جناح۔

اگر یہ خدا کی دین نہیں تو اور کیا ہے۔ سچ کہا تھا کسی نے کہ

زسومنات جناحؒ وز کاشمیر اقبالؒ
زدیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

اور

ان تصریحات کے بعد غور فرمایئے کہ مسلم لیگ کی مخالفت دین خداوندی کے تمکن و ترویج کی مخالفت ہے یا کوئی نیک کام، اور یہ بھی کہ ایک ایسی جماعت کی موجودگی میں جس کا نصب العین یہ ہو، کسی اور جماعت کی تشکیل ملت میں تشتت و افتراق ہے یا صلاح و خیر!

(ماخوذ از طلوع اسلام اپریل/مئی 1942ء)

ہم نے جو طرز فغاں کی ہے قفس میں ایجاد
فیض گلشن میں وہی طرز بیاں ٹھہری ہے

خبر ہے۔

نواز شریف شریعت بل سے اپنے اختیارات اور **فرقہ واریت** کی شقیں ختم کر دیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ جماعت اہلحدیث (روزنامہ نوائے وقت۔ نومبر 17, 1998)

طلوع اسلام

دوسرے علماء کرام بھی یہ آواز اٹھائیں تو پندرھویں ترمیم کے آرٹیکل 2(ب) کے تحت وضاحتی نوٹ جس سے فرقہ واریت کے لئے آئینی جواز فراہم ہوتا ہے، ختم ہو سکتا ہے۔

اتنے بڑے ملک میں کہیں سے معقول بات سنائی دی۔ اللہ بھلا کرے جماعت اہلحدیث کے اکابرین کا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک داعیٔ انقلاب کی راہ

(بانیٔ تحریک طلوع اسلام علامہ غلام احمد پرویزؒ کے قلم سے)

بیاورید گر ایں جا بود سخن دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد!

دنیا میں جو شخص مروجہ عقائد و نظریات کی تائید کے لئے اٹھتا ہے' بغیر یہ تحقیق کئے کہ وہ صحیح ہیں یا غلط' اس کیلئے زندگی کی راہیں بڑی آسانیوں اور خوش خرامیوں کی راہیں ہوتی ہیں۔ ہر وادی کہکشاں بار اور ہر گوشہ زعفراں زار۔ وہ جب پہلے دن اپنی آواز بلند کرتا ہے تو لاکھوں' کروڑوں انسانوں کو اپنا ہم نوا پاتا ہے۔ وہ جب اور جہاں' اپنے سامعین سے خطاب کرتا ہے تو ان میں سے ہر متنفس

یہ سمجھتا ہے کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

وہ جب ان متوارث رسوم و مسالک کی تائید میں (بزعم خویش) دلائل و براہین پیش کرتا ہے۔۔ اور دنیا میں کونسا عقیدہ اور تصور ایسا ہے جس کے حق میں عقل حیلہ جو' دلائل نہیں تراش سکتی۔۔ تو عوام کا گروہ عظیم اسے اپنے عہد کا سب سے بڑا مفکر قرار دیتا ہے۔ وہ جس طرف سے گذرے' ہزاروں انسان اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کا مسلمہ لیڈر بن جاتا ہے۔ عقیدت مند اس کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کرتے اور اس کے حضور سرنیاز خم کرتے ہیں۔ ہر طرف سے اس پر پھولوں کی بارشیں ہوتی ہیں۔ ہر سمت سے "زندہ باد" کے فلک بوس نعروں سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے دنیا بھر کے سامان راحت و آسائش مہیا کئے جاتے ہیں۔ متبعین اس کے جلو میں اور خدام اس کی بارگاہ میں دست بستہ استادہ رہتے ہیں۔ اس کے سب کام بلا مزد و معاوضہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر معتقد اس کی خدمت کو موجب ہزار ثواب و سعادت سمجھتا ہے۔ وہ جس شخص یا گروہ کو اپنا حریف خیال کرتا ہے اسے کچلنے کے لئے اسے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا کہ اسے باطل پرست اور فتنہ پرداز قرار دے کر اس کی مخالفت کو "جہاد فی سبیل اللہ" سے تعبیر کر دے اور اس طرح عوام کے جذبات کو اس کے خلاف مشتعل کرتا رہے اس مہم کو سر کرنے کے لئے دولت کے ڈھیر اس کے قدموں میں لگ جاتے ہیں اور رضا کاروں کی جماعتیں اس کے اشارہ پر جان تک دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ اب وہ مفکر کے ساتھ مجاہد بھی بن جاتا ہے اور ایک مہیب قوت کا مالک۔ اسی قوت کے بل بوتے پر وہ دوسروں کو ڈرا کر' دھمکا کر' اپنے سب کام نکالتا رہتا ہے۔

عزت' آسائش' دولت' قوت' امارت یہ سب فتوحات اس کے حصے میں آتی ہیں جو عوام کے عقائد و تصورات کی تائید کے لئے اٹھتا ہے۔

اس کے برعکس اس شخص کی حالت پر غور کیجئے جو عوام کی رو میں بہنے کی بجائے' زمانے کے دھارے کا رخ صحیح سمت کی طرف موڑنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے وہ مروّجہ عقائد اور موروثی نظریات میں سے ایک ایک

کو لیتا ہے اور انہیں ایک غیر متبدل معیار پر پرکھ کر' حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے۔ جب وہ عوام کے کسی غلط عقیدہ یا مسلک کے خلاف لب کشائی کرتا ہے تو بھری محفل میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ اس کا کوئی محرم اور کوئی ہم نوا نہیں ہوتا۔ اسے کوئی ایک ساتھی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس کی تائید کے لئے اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ وہ تنہا اٹھتا ہے تنہا چلتا پھرتا ہے' اور اس تنہائی سے اکتا کر خود ہی کہتا ہے کہ

غریبم درمیانِ محفلِ خویش
تو خود گویا کہ گویم مشکلِ خویش
ازاں ترسم کہ پنہانم شود فاش
غمِ خود را نگویم بادلِ خویش!

وہ اپنے پیغام کو لے کر' کو بہ کو' دیہ بدیہ' قریہ بہ قریہ پھرتا ہے اور ہر ایک سے کہتا ہے کہ

بیاورید گر ایں جا بود سخندانے
غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد

لیکن کوئی اس کی آواز پر کان نہیں دھرتا۔ وہ تھک کر بیٹھ جاتا اور ایک گہری سوچ میں ڈوب کر اپنے آپ سے کہتا ہے کہ

من شاید نخستیں آدم از عالمے دیگر!

لیکن اس کے پیغام کی صداقت اور اس صداقت پر اس کا یقین' اسے آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ وہ پھر اٹھتا ہے اور باندازِ دگر اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے قریب آتے ہیں اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ لیکن وہ یہ جانتے ہوئے کہ یونہی سطحی طور پر کسی انقلابی دعوت کی تائید کرنے والے اپنے آپ کو اور خود اس دعوت کو کس قدر نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان سے کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ

ز مرغانِ چمن نا آشنایم
بشاخِ آشیاں تنہا سرایم

اگر نازک دلی از من کراں گیر
کہ خونم می تراود از ندایم

وہ اپنے پیغام کو اسی طرح دہرائے چلا جاتا ہے تاآنکہ وہ (پیغام) فضا میں اپنے نقوش مرتب کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کو خطرہ محسوس ہوتا ہے جو اس کی اس انقلابی دعوت میں اپنی ان مفاد پرستیوں کی ہلاکت دیکھتے ہیں۔ وہ اس کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ مخالفتوں کے اس ہجوم کے مقابلہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے اور اپنے اللہ سے دعا کرتا ہے کہ

بارِ ستارانِ شب ، دارم ستیز
باز روغن در چراغِ من بریز

وہ ان مخالفت کرنے والوں سے کہتا ہے کہ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (2:111)۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کی تائید میں دلائل و براہین پیش کرو۔ لیکن ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ دلیل و برہان کیا ہوتی ہے۔ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ (43:23)۔ ہم نے اپنے اسلاف کو اس مسلک پر چلتے دیکھا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ **کل خیر فی اتباع من السلف** (شامی جلد اول ص 447)۔ نجات و سعادت' اسلاف کی اتباع ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ ہم ان کے نقوش قدم سے ذرا بھی ادھر ادھر ہٹنا نہیں چاہتے۔ وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (2:170)۔ ذرا سوچو کہ اگر تمہارے اسلاف کی عقلی سطح اتنی اونچی نہ ہو کہ وہ حق کا ادراک کر سکے اور ان کے سامنے صحیح راستہ نہ آیا ہو' تو کیا تم پھر بھی انہی کے راستے پر چلتے جاؤ گے؟ اس جواب سے ان مفاد پرستوں کے سرغنوں کے ہاتھ میں مخالفت کا بہت بڑا حربہ آجاتا ہے۔ وہ عوام کے جذبات

کو یہ کہہ کر مشتعل کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو! یہ شخص تمہارے بزرگوں کی توہین کرتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ وہ بے وقوف تھے۔ بے عقل تھے۔ گمراہ تھے۔ وہ سب غلط راستے پر چلتے تھے۔ صحیح راستے پر چلنے والا یہی ایک آیا ہے! اس قسم کی فتنہ انگیز باتوں سے وہ عوام کے جذبات کو بھڑکاتے اور انہیں اس کی ایذا رسانی پر اکساتے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اس کے خلاف ایسا محاذ کھڑا کر دیتے ہیں کہ وہ جہاں جاتا ہے اس کی بات سنے اور سمجھے بغیر اس کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ علم و سند اور دلائل و براہین سے اس کے دعوے کی تردید نہیں کر سکتے۔ اس لئے جذبہ انتقام اور احساس کمتری کی بنا پر اس کے خلاف اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتے اور اسے گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ یہ جھوٹا (کذاب) ہے۔ مفتری اور فتنہ پرداز ہے۔ باطل پرست (ساحر) ہے۔ پاگل (مجنون) ہے۔ اس قسم کی سوقیانہ تضحیک و استہزاء کے ساتھ اسے ڈرایا اور دھمکایا بھی جاتا ہے کہ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَآ أَوْ لَتَعُودُنَّ فِى مِلَّتِنَا ط(14:13)۔ یا تو تم ہمارا مسلک اختیار کر لو ورنہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے۔ وہ ان گالیاں دینے اور ڈرانے دھمکانے والوں سے پوچھتا ہے کہ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ○(11:78)۔ کیا تم ہزاروں' لاکھوں میں ایک انسان بھی ایسا نہیں جو متانت و سنجیدگی اور غور و فکر سے کام لے کر سوچے کہ میں کیا کہتا ہوں اور تم کیا کر رہے ہو؟ لیکن وہ اس کی پھبتیاں اڑانے اور آوازے کسنے کے سوا اس کا کچھ جواب نہیں دیتے اور اپنے حلقہ نشینوں سے یہ کہہ کر اپنی استدلالی بے مائیگی اور علمی تہی دامنی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم ایسے بیہودوں کو منہ نہیں لگانا چاہتے۔ اس داعیٔ انقلاب سے ہمدردی رکھنے والے اس سے پوچھتے ہیں کہ ان مخالفت کرنے والوں کی سمجھ میں تمہاری بات کیوں نہیں آتی تو وہ ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ

زخود رمیدہ چہ داند نوائے من زکجاست
جہانِ او دگر است و جہانِ من دگر است

وہ ان جگر خراش مشکلات کے طوفان اور جاں گسل مصائب و نوائب کے سیلابِ بے پناہ کا مردانہ وار مقابلہ کئے جاتا ہے لیکن بالآخر۔۔ دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت۔۔ کبھی کبھی اپنی تنہائیوں سے گھبرا جاتا ہے اور جھنجلا کر پکار اٹھتا ہے کہ

یا بکش در سینۂ من آرزوئے انقلاب
یا دگرگوں کن نہادِ ایں زمان و ایں زمیں
یا چناں کن یا چنیں

اور جب کسی کا دامن رافت و محبت اس کے آنسو پونچھنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو اس کے دل میں بھولے ہوئے دکھوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کے سینے کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں اور وہ سسکیاں لیتے ہوئے درد و کرب میں ڈوبی ہوئی آواز سے کہتا ہے کہ

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مئے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات

کبھی کبھی شدت احساس اس درجہ تیز ہو جاتی ہے کہ وہ راتوں کی تنہائیوں میں اٹھ کر سوچتا ہے کہ ساری دنیا جو میری دعوت کو جھٹلاتی ہے تو کہیں میں ہی غلطی پر تو نہیں؟ اس سے وہ اپنے پیغام پر پھر غور کرتا ہے اور اس کی نگہ بصیرت اس کی صداقت کو اور نکھار کر سامنے لے آتی ہے وہ اس کی وجہ البصیرت ایمان و ایقان کی قوت سے تازگی حاصل کر کے پھر مصروف تگ و تاز ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کی ساری عمر مسلسل جدوجہد اور پیہم تزاحم و تصادم میں گزر جاتی ہے اس لئے اسے کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ نہ معلوم میری تمام عمر صرف کاوش و کاہش ہی ہو جائے گی یا اس سعی و عمل کے

درخشندہ نتائج بھی میرے لئے وجہ شادابی قلب و نظر بن سکیں گے؟ اس حسین آرزو کے جواب میں، ایک بے صوت صدا یہ کہہ کر اس کے لئے سامان صد ہزار طمانیت بہم پہنچا دیتی ہے کہ تیرا کام اس پیغام کو عام کرتے جانا ہے۔ یہ دیکھنا نہیں کہ اس کے نتائج کب مرتب ہو کر سامنے آتے ہیں۔ یہ کچھ ہمارے قانون مکافات کے مطابق ہو گا۔ وَاِنۡ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ؀ (13:40)۔ اس طرح وہ انجام کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنی تگ و تاز کو تیز تر کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی مخالفت بھی شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ تاآنکہ وہ ایسے انتہائی نقطہ تک پہنچ جاتی ہے کہ يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ (2:214)۔ یہ داعی انقلاب اور اس کے ساتھی پکار اٹھتے ہیں کہ اے نصرت خداوندی! تیرے آنے کا وقت کب ہو گا؟ کبھی تو ایسا ہوتا ہے، کہ اس پکار کے جواب میں یہ پیغام جاں فزا فردوس گوش بنتا ہے کہ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ؀ (2:214)۔ دیکھو! وہ نصرت خداوندی آپہنچی۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہیں مزید استقلال و استقامت کی تاکید کی جاتی ہے اور اس طرح ان کی ساری عمر جدوجہد اور تگ و تاز ہی میں گزر جاتی ہے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی کہ یہ داعی انقلاب تنہا آتا ہے۔ تنہا رہتا ہے اور یہ کہہ کر تنہا یہاں سے چلا جاتا کہ

چو رختِ خویش بر بستم ازیں خاک
ہمہ گویند با ما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر
چہ گفت و باکہ گفت و از کجا بود

یعنی یوں تو اس کے گرد جاننے پہچاننے والوں کا ایک جمگھٹا رہتا تھا لیکن ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا پیغام کیا ہے۔

یہ ہیں وہ لوگ جن کے متعلق جرمن شاعر (Rilke) نے کہا ہے کہ

Each torpid turn of the world
has such disinherited children,
to whom no longer what's been and
not yet what is coming, belong.

یعنی جب دنیا جمود و تعطل کے بعد ایک نیا موڑ مڑنے لگتی ہے تو وہاں کچھ ایسے "محروم الارث یتیم" نظر آتے ہیں جو حاضر و موجود کو از خود تیاگ دیتے ہیں اور جو کچھ اس کی جگہ متشکل ہونے والا ہوتا ہے وہ ہنوز ضمیر کائنات میں پہلو بدل رہا ہوتا ہے اور اس کے آب و تاب سے موزوں ہونے میں ابھی وقت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس سے بھی بہرہ یاب نہیں ہو سکتے۔ لہذا وہ ماضی اور مستقبل دونوں کے ترکہ سے محروم رہتے ہیں۔ یہ حالت ہوتی ہے اس داعی انقلاب کی جس کے نزدیک مروج و موجود غلط قرار پا جائے اور اس کی جگہ جن اقدار کے متمکن ہونے کے لئے وہ مصروف جدوجہد رہے وہ اس کی زندگی میں وجود پذیر نہ ہوں۔ وہ دنیا میں تنہا آتا ہے اور تخم انقلاب کی آبیاری کر کے تنہا دنیا سے چلا جاتا ہے کہ بعد میں آنے والے اس کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں۔ اسے اس کا افسوس نہیں ہوتا کہ اس نے اپنی جانفشانیوں کے نتائج اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھے۔

حضرات انبیاء کرامؑ دنیا میں سب سے بڑے داعی انقلاب ہوتے ہیں۔ وہ ہر حاضر و موجود کو، خواہ اس کے ساتھ کتنی ہی مقدس نسبتیں کیوں نہ وابستہ ہوں، تنقیدی نگاہ سے دیکھ کر، مستقل اقدار کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جو کچھ اس پر پورا نہ اترے اس کے متعلق اپنی پوری قوم (حتیٰ کہ خود اپنے اہل خاندان تک) سے برملا

کہہ دیتے ہیں کہ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ o (21:52)۔ اور انہیں ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ (21:67)۔ عام داعیان انقلاب اور حضرات انبیاء کرام میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ان پر کبھی وہ ارتیابی اور اضطرابی کیفیت طاری نہیں ہوتی جو ہجوم یاس کی وجہ سے کبھی کبھی اولی الذکر کو گھیر لیتی ہے۔ یہ حضرات حقائق مستور کو اپنی نگاہوں سے بے نقاب دیکھ لیتے ہیں اس لئے انہیں اپنی دعوت پر عین الیقین ہوتا ہے۔ دیگر داعیان انقلاب اس مقام تک، غور و تدبر کے بعد تجرباتی طریق سے پہنچتے ہیں۔

سلسلہ انبیاء کرام، نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس و اعظم پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ لیکن جس آسمانی انقلاب کی طرف وہ دعوت دیتے تھے وہ قرآن کی شکل میں قیامت تک باقی رہے گا۔ لہٰذا اب دعوت انقلاب علیٰ منہاج نبوت کے معنی ہیں، دعوت الی القرآن۔ رسولؐ اللہ نے جب قرآن کی طرف دعوت دی تو ہر طرف سے اس آواز کی مخالفت ہوئی، انہی مخالفین میں وہ اہل کتاب بھی تھے جن کے لئے یہ آواز کچھ نئی نہیں تھی۔ انہیں حضورؐ بار بار کہتے کہ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (46:9)۔ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ نہ ہی جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کوئی نئی بات ہے۔ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا (2:135)۔ یہ اسی مسلک کی طرف دعوت ہے جسے تمہارے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا تھا۔ اس لئے لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ (2:41)۔ تمہیں تو یہ زیب نہیں دیتا کہ تم ہی سب سے پہلے اس دعوت سے انکار کر دو اور اس کی مخالفت پر اتر آؤ۔ لیکن ان دلائل و براہین کو کون سنتا تھا؟ انہوں نے مخالفت کی اور جی بھر کر مخالفت کی۔

حضور کے بعد بعینہ یہی صورت ہر اس داعی انقلاب کے ساتھ پیش آتی ہے جو قرآن کی طرف دعوت دینے کے لئے اٹھتا ہے۔ وہاں مخالفت سابقہ اہل کتاب کی طرف سے تھی۔ اب وہی مخالفت خود مسلمانوں کی طرف سے ہوتی ہے حالانکہ یہ اٹھتے بیٹھتے اسی قرآن کو زندگی کا واحد ضابطہ قوانین اور خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آخری اور مکمل ہدایت بھی کہتے ہیں۔ یہ بات بظاہر بڑی تعجب انگیز اور حیرت افزا نظر آتی ہے کہ ایک قوم ایک کتاب پر ایمان کی بھی مدعی ہو لیکن جب اسے اس کتاب کی طرف آنے کی دعوت دی جائے تو وہ اس دعوت کی شدید ترین مخالفت کرے۔ بات فی الواقعہ تعجب انگیز ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ یہ ایک ایسی حقیقت نفس الامری ہے جس پر تاریخ اور خود ہمارا دور شاہد ہے اس مخالفت میں، مسلمانوں کا رد عمل، ان کے اعتراضات اور (بزعم خویش) دلائل بعینہ وہی ہوتے ہیں جنہیں قرآن نے اقوام سابقہ، اور نبی اکرمؐ کے زمانہ میں اہل کتاب کی طرف سے پیش کردہ بیان کیا ہے۔ وہی اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ o (43:23)۔ کی اسلاف پرستی کی دلیل! اور پھر مخالفت میں لفظ بہ لفظ اور قدم بقدم ان ہی کی روش کی تقلید۔ ان حالات میں آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ایک داعی الی القرآن کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ کس طرح ان تمام آسائشوں اور راحتوں سے محروم رہ جاتا ہے جو روش عامہ کی تائید کرنے کی صورت میں پکے ہوئے پھل کی طرح از خود اس کی جھولی میں آگرتی تھیں۔ وہ صرف ان آسائشوں اور راحتوں ہی سے محروم نہیں رہتا بلکہ ہر طرف سے ہدف طعن و تشنیع اور مورد سب و شتم بھی بنتا ہے۔ یہ سب اس جرم کی پاداش میں کہ قالوا ربنا اللّٰہ وہ کہتا ہے کہ رب صرف اللہ ہے۔ اور اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (7:3)۔ صرف اسی کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے

تمہاری طرف نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ اور کسی کارساز کی اتباع مت کرو۔

میری دعوت یہی ہے اور اسی کی پاداش میں میرے ساتھ وہ کچھ ہو رہا ہے جو ہر داعی انقلاب کے لئے مقدر ہے۔ (بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے اس دعوت سے دل چسپی رکھنے والوں کو براہ راست مخاطب کیا ہو۔ لیکن پچھلے دنوں مجھے احباب کی طرف سے اتنے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ میں نے ضروری سمجھا کہ ہفتہ وار طلوع اسلام کی اس آخری اشاعت میں، متکلم کے صیغہ میں ان سے کچھ باتیں کر لوں۔ یہ ہے اس "تشبیب" کے بعد اس نامانوس سی "گریز" کی وجہ!) میری زندگی کا ابتدائی دور اسی روش عامہ کی تقلید میں گزرا جس میں نہ ذہن کے لئے کسی فکری کاوش کی ضرورت ہوتی ہے نہ قلب کے لئے کسی احساس اضطراب کی، لیکن جس کے راستے میں راحتیں اور آسائشیں، امارتیں اور قیادتیں آنے والے کے انتظار میں صف بستہ کھڑی ہوتی ہیں۔

بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

لیکن قبل اس کے کہ میں ان سحر آفریں مناظر میں کھو جاتا، قرآن کی نورانی مشعل میرے سامنے آگئی جس نے ہر فریب سے پردہ اٹھا کر ہر شے کو اس کے صحیح صحیح مقام پر دکھا دیا۔ یہ کس طرح سے ہوا، اس کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ اگر میں نے کبھی اپنی زندگی اور اس کی کشمکش کے احوال و کوائف منضبط کئے تو یہ دلچسپ داستان بھی سامنے آجائے گی۔ لیکن سب کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ سب مبدا فیض کی کرم گستری سے ہوا۔ اگر اس کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو ان نظر فریب جاذبیتوں کی سحر کار بھول بھلیوں سے نکلنا میرے لئے ناممکن تھا۔۔۔ وہ سحر کار جاذبیتیں کہ اب جن کی طرف میں نگہ باز گشت ڈالتا ہوں تو بھیانک دلدل اور خار دار جھاڑیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتیں۔ میرا دامن ان خار دار جھاڑیوں سے ایک ہی جھٹکے میں نہیں چھوٹ گیا تھا۔ اس سے ایک ایک کانٹا الگ کرنا پڑا تھا اور اس میں برسوں لگ گئے تھے۔ میری زندگی کا سب سے تلخ اور صبر آزما زمانہ وہی تھا جس میں میں اس تگ و تاز میں مصروف تھا۔ یہ درحقیقت بیم ورجا کا ایک دوراہہ تھا جس پر میں عجیب کشمکش میں کھڑا تھا۔ ایک طرف وہ جنت تھی جو بغیر کسی محنت و مشقت کے سامنے رکھی تھی۔ صرف یہاں کی راحتوں اور آسائشوں کی جنت ہی نہیں بلکہ آخرت کی جنت بھی جس کے متعلق سمجھا یہ جاتا تھا (اور روش عامہ کی تقلید میں یہی سمجھا جاتا ہے) کہ وہ نہایت آسانی سے خریدی جا سکتی ہے۔۔ اور دوسری طرف سنگلاخ وادیوں اور "تیشہ و سنگ گراں" کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ جنت ہاتھ سے چھنتی نظر آرہی تھی۔ اور دوسری طرف ہنوز دور دور تک کسی شگفتگی و شادابی کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ متوارث عقائد کا نفسیاتی اثر، غیر شعوری طور پر، (گو سالہ کی محبت کی طرح) دل کی گہرائیوں میں پیوست تھا اور یہ نئے تصورات بہت آہستہ آہستہ، افق ذہنی سے قلب کی سطح پر اتر رہے تھے۔ اس لئے ان کی صداقت پر ابھی حتمی اور قطعی یقین بھی نہیں تھا۔ میں جب اس کشمکش کی ہمت شکن تلخیوں کو یاد کرتا ہوں جن کے نشتر ایک سانس میں پیوست رگ جان ہوتے رہتے تھے۔ تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میری حالت وہی تھی جس کے متعلق حضرت علامہ نے کہا ہے کہ

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

لیکن میں قدم قدم پر اس بارگہ صمدیت کے حضور سجدہ ریز ہوں جس کی عطا فرمودہ ہمت اور بصیرت سے میں بیم ورجا کے اس جاں گسل اور جگر خراش مرحلہ سے بھی بعافیت گذر گیا اور میرا ہر گمان، یقین سے اور ہر

شک علیٰ وجہ البصیرت ایمان سے بدل گیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اس داخلی کشمکش سے نجات مل جانے کے بعد، خارجی مشکلات کا آغاز ہو گیا اور مخالفتوں کا یہ ہجوم دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ اور چلا جا رہا ہے۔ لیکن، یہ حقیقت ہے کہ (اگرچہ بظاہر یہ مشکلات بڑی دشوار گزار دکھائی دیتی ہیں لیکن) یہ اس داخلی کشمکش کی جگر گدازی اور سینہ سوزی کے مقابلہ میں ہیچ ہیں جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ اس فرق کو صحیح طور پر سمجھانے کے لئے مجھے دقت پیش آتی اگر میرے سامنے غالب کا یہ شعر نہ آجاتا جس میں اس نے اپنی ایسی ہی واردات کو دعائیہ رنگ میں یوں پیش کیا ہے کہ

نالم از ستمِ غیر۔ بر تو باد۔ کہ تو
مرا بدستِ منِ دیو سار نگزاری

لہٰذا ان مخالفتوں اور مشکلوں کا میں نے نہ کبھی اثر لیا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی شکایت ہے۔ شکایت کی تو بات ہی کچھ نہیں، اس لئے کہ میں جب جی چاہے انہیں ختم کر سکتا ہوں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا جاتا ہو کہ ملک کی بڑی بڑی "مقبول عام" جماعتوں اور بااثر شخصیتوں کی طرف سے مجھے اس [illegible] کے پیغام نہ آتے ہوں کہ اگر میں فلاں معاملہ میں ان سے مفاہمت کر لوں تو ان کا پورا تعاون مجھے حاصل ہو سکتا ہے۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۝ (68:9)۔ لہٰذا ان مشکلات کا گلہ کیسا جن کا ختم کر دینا اپنے بس کی بات ہو۔ حق سے ذرا پیچھے ہٹنا ہی تو ہے، یہ تمام مخالفتیں، رفاقتوں میں بدل سکتی ہیں! اس لئے ان ناساعد حالات سے ذاتی طور پر میں متاثر نہیں ہوتا، البتہ اس سے اس مشن کے راستے میں جس قدر رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں، ان کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ لیکن یہ رکاوٹیں کہاں نہیں پیدا ہوئیں جو یہاں پیدا نہیں ہوں گی؟

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

میں نے اپنے ذاتی واردات و تجربات اور احوال و کوائف میں سے یہ چند ریزے اس لئے احباب کی خدمت میں پیش کئے ہیں کہ ان میں انہیں ان کے اس قسم کے سوالات کا جواب مل جائے گا کہ ملک کی باقی جماعتیں اور تحریکیں اس تیزی سے بڑھ اور پھیل رہی ہیں اور قرآنی فکر کی یہ آواز بڑی سست خرام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو دعوت اور تحریک روش عامہ کی تائید میں اٹھے گی اس کے بڑھنے اور پھیلنے میں نہ وقت لگے گا نہ کوئی دقت پیش آئے گی۔ وہ دعوت اور تحریک تو پہلے سے موجود ہوتی ہے، اسے صرف منظم کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جو تحریک فکری انقلاب کی دعوت پیش کرے اور اس میں ہنگامی جذبات کو قطعاً" دخیل نہ ہونے دے اس کی رفتار کبھی شعلہ صفت اور برق آسا نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کی تحریک خارجی تبدیلی سے پہلے داخلی تبدیلی چاہتی ہے۔۔ اور بہت بڑی داخلی تبدیلی۔۔ میں اپنے حلقہ فکر کے تمام احباب سے فرداً" متعارف نہیں ہوں لیکن جن احباب سے ذاتی طور پر میں واقف ہوں (خواہ وہ مقامی ہوں یا باہر کے) اور جو اس تحریک کی تیز رفتاری کے لئے مخلصانہ طور پر آرزو مند ہیں، میں نے جب ان کا مطالعہ کیا تو ان میں سے بھی بہت کم ایسے دکھائی دیئے جن میں وہ فکری اور قلبی تبدیلی کماحقہ، آچکی ہو جو قرآنی انقلاب کے لئے شرط اولیں ہے میری ان تمام احباب سے جو اس انقلاب کے بروئے کار آنے کے متمنی ہیں، درخواست ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ان میں ذہنی اور قلبی تبدیلی کس حد تک پیدا ہو چکی ہے۔ ذہنی یہ کہ کیا وہ علیٰ وجہ البصیرت سمجھ چکے ہیں کہ قرآن چاہتا کیا ہے اور جس انقلاب کے لئے وہ اس قدر بیتاب ہیں، اس کا صحیح

مفہوم کیا ہے؟ اور قلبی تبدیلی یہ کہ کیا وہ اپنے آپ کو اس کے لئے تیار پاتے ہیں کہ ان کا جو عقیدہ، نظریہ، تصور یا مسلک اور عمل، قرآن کے خلاف ہو، اسے بلا تامل و تذبذب، دل کے پورے اطمینان کے ساتھ چھوڑ دیں اور جو روش قرآن متعین کرے اس پر استقلال و استقامت سے گامزن ہو جائیں۔ اگر وہ اپنے اندر اس قسم کی تبدیلی پاتے ہیں تو پھر انہیں سمجھنا چاہئے کہ قرآنی انقلاب کے لئے ان کی تمنا صحیح بنیادوں پر استوار ہے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس انقلاب کے لئے عملاً کچھ کر سکیں گے۔ اس قسم کے احباب میں باہمی رابطہ پیدا کر کے اجتماعی مشاورت کی شکل پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس سے بہتر نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔

بعض احباب نے لکھا ہے کہ مجھے چاہئے کہ ایک ایسا تربیتی مرکز قائم کروں جس میں ایسے تعلیم یافتہ نوجوان جو قرآنی فکر سے متاثر اور متفق ہوں، کچھ وقت کے لئے میرے زیر تعلیم و تربیت رہ کر، اس فکری تحریک کو عام کرنے کا ذریعہ بن سکیں۔ یہ تجویز عمدہ ہے اور ایک عرصہ سے خود میرے پیش نظر۔ لیکن اس میں دوگونہ دشواریاں ہیں۔ ایک تو اس قسم کے نوجوانوں کا اس مقصد کیلئے تیار (ہی نہیں بلکہ بیتاب) ہونا اور دوسرے ان کے اخراجات۔ میرا خیال ہے کہ اس کی تو توقع کرنا ہی بیکار ہے کہ کوئی ایسا تعلیم یافتہ نوجوان مل جائے جو اپنا خرچ آپ برداشت کر کے، اس مقصد کے لئے تربیتی مرکز میں آنے کے لئے آمادہ ہو۔ لہٰذا اس کی عملی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ کچھ تعلیم یافتہ نوجوان ہوں جو اس قسم کی قرآنی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے آرزو مند ہوں اور کچھ ذی ثروت احباب ایسے ہوں جو ان میں سے ایک ایک دو دو طالب علموں کا خرچ برداشت کر لیں۔ واضح رہے کہ ان طالب علموں کو بڑا محنتی اور ذہین ہونا چاہئے اور ان کی تعلیم اچھی خاصی۔ قرآن سمجھنے کے لئے مشرقی اور مغربی دونوں علوم کی ضرورت لاینفک ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآنی فکر کا مبلغ ہونے کے لئے صرف ذہنی تعلیم ہی کافی نہیں۔ اس کے لئے داخلی تبدیلی کی ضرورت بھی اشد ہے۔ داخلی تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ زندگی کی اقدار (Values) کے متعلق انسان کا زاویہ نگاہ بدل جائے اور انسان کا مقصد ہدایت خداوندی کی روشنی میں ربوبیت عامہ قرار پا جائے۔

ضمناً" اس فکر کے عام کرنے کے سلسلہ میں ایک بنیادی اصول کا پیش نظر رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اس کے لئے کوئی ناجائز طریقہ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ ناجائز طریق سے حاصل کردہ پیسہ بھی اس کے لئے صرف نہ کیا جائے اور کوئی جھوٹی اور غلط بات کسی سے نہ کہی جائے۔ کئی احباب میرے پاس ایسی ایسی تجاویز (بلکہ پیش کش) لے کر آتے ہیں جن سے روپیہ بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے اور مروجہ چلن کے مطابق ان میں بظاہر کوئی بات قابل اعتراض بھی نظر نہیں آتی۔ لیکن چونکہ وہ قرآنی اصولوں کے مطابق قابل اعتراض ہوتی ہے اس لئے میں نہ انہیں قبول کرتا ہوں اور نہ انہیں اس کی جرات دلاتا ہوں۔ ان میں سے بعض کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ایک اعلیٰ مقصد کے لئے اس قسم کے ذرائع معیوب نہیں سمجھنے چاہئیں۔ (آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ مجھ سے اگلے دنوں ایک بہت بڑے لیڈر نے بھی (جس کی بغل میں قرآن بھی رہتا ہے) یہ کہا کہ نیک مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کا حربہ استعمال کر لینا چاہئے!) لیکن قرآن، مقصد اور ذریعہ میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ غلط راستہ آپ کو صحیح منزل کی طرف لے جائے۔ لہٰذا اس مشن کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو اس کی خاص طور پر احتیاط کرنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں ایک

بات اپنے تجربہ کی بناء پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے قرآن کی آواز کو قریب بیس سال ہوئے تنہا بلند کیا تھا اور اس دوران میں اسے تنہا ہی آگے بڑھاتا رہا۔ اس بے سروسامانی کے باوجود' آج پاکستان کا کوئی شہر اور قریہ ایسا نہیں جو اس آواز سے ناآشنا ہو۔ اس کامیابی کا' پیغام کی صداقت کے علاوہ' بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ اس پیغام کی نشرواشاعت میں کبھی کوئی ناجائز ذریعہ استعمال نہیں کیا گیا۔ بات بالکل واضح ہے۔ جو تحریک زندگی کے ہر شعبہ میں دیانت و امانت اور عدل و احسان کی داعی ہو وہ اگر اپنی کامیابی کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرے تو یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی ہے۔

بعض احباب نے کہا ہے کہ میرے ملازمت چھوڑنے سے میری آمدنی میں جو اس قدر کمی آ گئی' میرے مشن کی ترقی کی رفتار پر اس کا بھی اثر پڑا ہے۔ جب ملازمت ترک کر دینے کا سوال میرے زیر غور تھا تو معاملہ کے دونوں پہلو میرے سامنے تھے۔ ایک طرف یہ حقیقت تھی کہ اس سے میری آمدنی ایک تہائی سے بھی کم رہ جائے گی اور دوسری طرف یہ کہ اس سے مجھے اپنے کام کے لئے سارا وقت مل جائے گا۔ میری زندگی میں "وقت" کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا راز یہ ہے کہ میں وقت کو صحیح مصرف میں لاتا رہا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میں عمر کے اس حصے میں پہنچ رہا ہوں جہاں مجھے زیادہ سے زیادہ وقت اپنے مشن کے لئے فارغ کر لینا چاہئے۔ چونکہ میری نگاہ میں وقت کی قیمت اس آمدنی سے کہیں زیادہ تھی جو مجھے تسلسل ملازمت سے ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں نے کافی سوچ بچار کے بعد' ترک ملازمت کو ترجیح دی۔ اور میں اپنے اس فیصلہ پر قطعاً" پشیمان نہیں۔ میرا مشن میری زندگی کا جزو بن چکا ہے اور میں' بتوفیق ایزدی اس کے لئے زندگی کے آخری سانس تک مصروف کار رہوں گا۔ اگر ذرائع کی کمی یا فقدان میرے افکار و تصورات کی نشرواشاعت میں حائل ہو جائے تو مجھے اس کا بھی غم نہیں۔ میں انہیں کم از کم صفحہ قرطاس پر تو محفوظ کر جاؤں گا۔ اس امید پر کہ یہ شاید' اسی راہ گذر پر کسی بعد میں آنے والے رہرو کے لئے نشان منزل کا ذریعہ بن سکیں۔ جو احباب اپنی اپنی جگہ اس فکر کے عام کرنے میں کوشاں ہیں' ان سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ وہ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ انہیں اس کے لئے کس قدر ذرائع میسر ہیں' اپنی بساط کے مطابق کام کرتے جائیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ (11:115)۔ جو کام مخلصانہ اور حسن کارانہ انداز سے کیا جائے وہ کبھی رائگاں نہیں جاتا۔ یہ اس خدا کا قانون ہے جس کے قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور اسے بھی سمجھ رکھئے کہ فکری تبدیلی کوئی معمولی کام نہیں دنیا میں کوئی خارجی انقلاب فکری اور داخلی تبدیلی کے بغیر برپا نہیں ہو سکتا۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (13:10)۔ ایک غیر متبدل اور اٹل سنت اللہ ہے۔ اس تبدیلی کے بغیر' خالی جذبات کی بنیادوں پر ہنگامہ خیزیاں تو ہو سکتی ہیں صحیح انقلاب کبھی ظہور میں نہیں آسکتا۔ بالخصوص قرآنی انقلاب جس کا مقصد ہی اقدار کو بدلنا ہے اور اقدار بدل نہیں سکتیں جب تک انسان کا زاویہ نگاہ نہ بدل جائے۔

ایک منزل رامی بینی زراہ
قیمتِ ہر شے باندازِ نگاہ
نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود
ایں زمین و آسماں دیگر شود

اسی "نوع دیگر بیں" کو ایمان کہتے ہیں جو داخلی تبدیلی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس تبدیلی کے بغیر کوئی تعمیری انقلاب ظہور میں نہیں آسکتا۔ دنیا کا سب سے بڑا

انقلاب جو دنیا کی سب سے بڑی شخصیت (فداہ ابی وامی) کے ہاتھوں برپا ہوا تھا، اس کی بنیاد بھی داخلی تبدیلی ہی تھی۔ لہٰذا اس انداز سے قرآنی انقلاب کے لئے کوشاں ہونا، موجب ارشاد خداوندی اور مطابق سنت نبویؐ ہے اور اس کی کامیابی یقینی۔ **واللہ علی مانقول شہیدا۔**

اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ لیکن بعید از سپاس گذاری ہو گا اگر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی ہمدردیاں اور رفاقتیں اس دشوار گذار راستہ میں میرے لئے موجب تقویت رہی ہیں۔ انہوں نے میرا ساتھ **لوجہ اللہ** دیا ہے لیکن چونکہ ان کے ہم عناں ہونے سے میرا سفر سہل ہو گیا اس لئے مجھ پر ان کا شکریہ لازمی ہے اور اصل تو یہ ہے کہ **مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ** (27:41)۔ یہ شکر گذاری بھی خود اپنی ذات کے نمود و ارتقاء ہی کے لئے ہوتی ہے۔ یہی وہ ہم صفیران چمن ہیں جن کی موجودگی سے مجھے یہ اطمینان حاصل ہے کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
مرے اب یہاں رازداں اور بھی ہیں

میرے یہ دیدہ و نادیدہ "رازداں" میرا محبت بھرا سلام قبول کریں اور اس دعا میں میرے ہم نواہوں کہ

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر بدہ
در بادہ نشہ را نگرم، آں نظر بدہ
سازی اگر حریفِ یمِ بے کراں مرا
بااضطرابِ موج سکونِ گہر بدہ
شاہینِ من بصیدِ پلنگاں گذاشتی!
ہمت بلند و چنگل ازیں تیز تر بدہ
رفتم کہ طائرانِ حرم را کنم شکار
تیرے کہ نا فگندہ فتد کارگر بدہ
خاکم بنورِ نغمۂ داؤد برفروز
ہر ذرۂ مرا پروبالِ شرر بدہ

والسلام

پرویز

27 دسمبر 1955ء

ختم نبوت فنڈ

1-	محترم محمد اقبال شاہدرہ (لاہور)	1,000.00 روپے
2-	محترم ملک خالد یعقوب (لاہور)	2,000.00 روپے
3-	محترم محمد اجمل وقاص چوہدری (لاہور)	50.00 روپے
4-	محترم رضا علی خان (ملتان)	300.00 روپے
5-	محترم محمد ارشد جاوید چھل کلاں (گوجرانوالہ)	1,000.00 روپے
6-	محترم نذیر احمد عمارتی بلڈنگ سٹور (گوجرانوالہ)	5,000.00 روپے
7-	محترم ڈاکٹر محمد حشمت تکوی لسی	200.00 روپے
8-	محترم محمد حنیف واصف (کمالیہ)	300.00 روپے
9-	محترم محمد اصغر اعوان (کھاریاں)	500.00 روپے
10-	محترم اشیر احمد بتالوی، فریڈرک (ناروے)	20,000.00 روپے
11-	محترم محمد رفیق راجہ (کینیڈا)	1,000.00 روپے
12-	محترم امجد محمود (ناروے)	10,000.00 روپے

قارئینِ محترم

سلام ورحمت

دسمبر 1998ء کا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے اس کے ساتھ ہی بہت سے قارئین کا زرِ شرکت برائے سال 1998ء ختم ہو گیا ہے۔ایسے کرم فرماؤں سے درخواست ہے کہ وہ آئندہ سال کے لئے زرِ شرکت جلد ارسال فرمادیں تاکہ پرچے کی ترسیل منقطع نہ ہو۔

زرِ شرکت حسب سابق

--------- اندرونِ ملک -------- 170روپے

--------- بیرونِ ملک -------- 800روپے

پرچہ بذریعہ وی پی ہدایات ملنے پر ہی ارسال کیا جائے گا۔اگر کسی وجہ سے پرچہ جاری رکھنا مقصود نہ ہو تو بھی اطلاع ضرور فرمادیں تاکہ یاددہانی کی ضرورت نہ رہے۔

☆ ☆ ☆

کھاتوں سے جاری پرچوں میں کسی قسم کی کوئی ترمیم مقصود ہو تو اس کی اطلاع 25 دسمبر سے قبل فرمادیں۔ورنہ جنوری کا پرچہ ارسال نہ ہو سکے گا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم○

خطاب کنونشن

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام
منعقدہ اجلاس 31 اکتوبر 1998ء

آپ پر ہزار ہزار سلام و رحمت!

تحریک طلوع اسلام کی طرف سے میں آپ کو اس تقریب میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ ہمیں ایسی جگہ کی تلاش تھی جو بڑھتی ہوئی ضروریات کی شایان شان کفیل ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ آج ہم اپنی درس گاہ کی وسیع عمارت میں اجتماع کر رہے ہیں۔ میرا سرنیاز بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہے کہ یہ مبارک دن دیکھنا نصیب ہوا۔

عزیزان گرامی قدر آپ نے دور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اس کنونشن میں شرکت کی اور اس محفل کو کامیاب بنایا جس کے لئے میں احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ احباب جانتے ہیں کہ یہ قرآنی فکر کے ہم آہنگ ساتھیوں کا اجتماع ہے۔ اس کا بنیادی مقصد احتساب خویش ہے۔ یہ اجتماع یوم الحساب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ہم نے احتساب خویش کا فریضہ ادا کیا تو اس اجتماع کا مقصد پورا کیا۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو اس اجتماع کی حیثیت ہجوم مسلماناں کی رہ جاتی ہے۔

اس تحریک میں داخل ہونے کے بعد ہمارے سامنے ایک ہی مقصد رہنا چاہئے وہ ہے اس تحریک کا فروغ اور کامیابی۔ ہمارا مقصد قرآن کی تبلیغ ہے۔ یعنی قرآنی فکر کو خود سمجھنا اور سمجھنے کے بعد دوسروں تک لٹریچر کے ذریعے پہنچانا تاکہ زندگی کے مسائل پر غور کرنے سے انسانیت کے مسائل کا حل دریافت ہو سکے کیونکہ اب زمانہ زندگی کے عملی مسائل کا حل چاہتا ہے۔

پرویز صاحبؒ نے احباب پر وقتاً فوقتاً واضح کیا کہ معاملہ قرآن کو سمجھ لینے پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ سیرت و کردار قرآن کے سانچوں میں ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے۔ جب تک کسی قوم میں نفسیاتی تبدیلی نہیں ہوتی اس کی حالت بدل نہیں سکتی۔ تحریک کا مسلک یہ ہے کہ ہنگامہ آرائیوں اور شورش انگیزیوں سے فساد تو برپا ہو سکتا ہے لیکن انقلاب نہیں۔

رفیقان محترم! جو بھی فساد اور نفاق پیدا کرے گا وہ ختم ہو جائے گا۔ نفاق درحقیقت ایک نفسیاتی مرض ہے جس سے انسان اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔ بے اعتمادی' نااتفاقی' عدم تعاون و انتشار کا نتیجہ تباہی و بربادی ہوتا ہے۔ اتحاد و اتفاق سے انسانیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ تحریک صرف اتحاد و اتفاق سے ہی قائم ہو سکتی ہے۔ اس قسم کی جماعت بندی کے لئے سب سے پہلے الفت و محبت کا عنصر پیدا کرنا ہو گا۔ ہماری تحریک اس وقت تک صحیح کام نہیں کر سکتی جب تک وہ منظم ہو کر عملی اتحاد کے راستے پر گامزن نہ ہو۔ ہماری بقا کا راز اس میں ہے کہ ہمارے وجود اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام اجزا متحد اور مربوط ہوں۔ قرآن امت واحدہ سے بحث کرتا ہے جو ایک فرد کی طرح ہے۔ جس طرح جسم اپنی ساخت میں

ایک فرد ہے اسی طرح ہماری تحریک کو ایک فرد بنتا ہے۔

ہم بہت خوش نصیب ہیں کہ علامہ پرویزؒ نے ہمارے لئے کتابوں اور کیسٹوں کا ایک بے بہا خزانہ چھوڑا ہے۔ ان کی تصانیف میں سے کوئی بھی تصنیف ایسی نہیں جو بلند پائے کی نہ ہو۔ ان کی تصانیف یقیناً صدیوں تک رہیں گی اگر اس کی تعلیم سے قرآنی تعلیم کو سمجھ لیں تو ہم انسان بن سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ پڑھنے والی آنکھیں ہمارے پاس نہیں۔ نومولود کی آنکھیں بھی آہستہ آہستہ کھلتی جاتی ہیں لیکن ہماری آنکھیں اب تک نہ کھلیں۔ ہم مثالی محبت، اتحاد و ہم آہنگی پیدا نہیں کر سکے۔ اگر ہم زندگی صحیح نہج پر گزاریں، تو کثرت کو وحدت میں بدل سکتے ہیں۔

تحریک طلوع اسلام قرآنی نظام کی تشکیل کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے کیونکہ نوع انسان کی مشکلات اور مصیبتوں کا حل اسی نظام کے قیام میں مضمر ہے۔ قرآن کریم کے مطابق نظام قائم کرنے سے انسانی دنیا میں ایک عظیم، عالم گیر، تمدنی انقلاب برپا ہو گا جو عالم گیر انسانیت کی ربوبیت کا ضامن ہو گا اور فطرت کی قوتوں کا ماحصل کسی گروہ یا خاص قوم کی قوت اور دولت میں اضافہ کرنے کی بجائے عالم گیر انسانیت کے لئے وقف ہو گا۔ اور یہ انقلاب عظیم تب واقع ہو گا جب عالمگیر انسانیت خدا کا نظام ربوبیت قائم کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی۔ (83:5-6)۔ اس لئے ضروری ہے کہ لٹریچر عوام الناس تک پہنچایا جائے۔ ادارہ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور تبلیغی مقاصد کے لئے چھوٹے چھوٹے (Pamphlets) (جو علامہ پرویزؒ کی تقاریر اور مقالے ہیں) شائع کئے اور پچھلے سال 1,13,000 تقسیم کئے۔

قرآنی پیغام عام کرنے کے لئے میری تجاویز مندرجہ ذیل ہیں۔

1- آئندہ سال بھی ایسے (Pamphlets) کی تقسیم کو جاری رکھا جائے۔

2- سلیبس کے مطابق امتحانات مقابلہ کے لئے اسلامیات کی کتاب شائع کر دی جائے تاکہ صحیح قرآنی فکر نوجوانوں میں عام ہو جائے۔ اس طرح قرآن کی آواز تیزی سے پھیلائی جائے۔

3- مصیبت زدہ لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے ان سے تعاون کیا جائے اور ان کی امداد کی جائے۔ عیسائی مشنری اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور خدمت کے پردے میں انہیں عیسائی مذہب قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ کیونکہ مسلمان ان کو بھول چکے ہیں، مشنریوں نے انہیں گھیر لیا ہے اور مشنریوں کی امدادی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر پاکستانی مسلمان عیسائی بن رہے ہیں۔ روزنامہ امروز لاہور (مورخہ 8 مئی 1986ء، ص 8) کے مطابق کینیڈا کے مسیحی جریدہ نے دعویٰ کیا ہے کہ مسیحی مبلغوں نے 20,000 مسلمانوں کو عیسائی بنایا۔ جریدہ میں تصاویر بھی دی گئی ہیں جن میں عیسائی مبلغ پاکستان اور بھارت میں اجتماعات سے خطاب کر رہے ہیں۔ اس لئے پاکستان میں شائع ہونے والے مسیحی رسالوں اور لٹریچر کا جائزہ لیا جائے اور مناسب مدلل جواب دیئے جائیں۔ موجودہ پروجیکٹ کو وسعت دی جائے اور "مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں" کی مفت تقسیم کو بھی اس پروگرام میں شامل کیا جائے تاکہ ہر شہری کو حقیقت کا علم ہو جائے۔

CSS اور PCS کے امتحانوں کے لئے اسلامیات کے (Subject) کے لئے امدادی کتاب مرتب کر کے شائع کی جائے اور یہ کتاب Subsidised Rates پر فروخت کی جائے۔

NEWLY ESTABLISHED OFFICE
OF
RAWALPINDI BAZM

SHABISTAN CINEMA

FAIZAN PLAZA

Tolu-e-Islam
114 -1st Floor

MURREE ROAD

TOLU-E-ISLAM

TO DHOKE KHABBA

Traffic Post

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتح محمد ملک

اقبال، قرآن اور پاکستان

(یہ مقالہ ایوان اقبال میں منعقدہ سیمینار بعنوان "اقبال اور قرآن" میں یکم نومبر 1998ء کو پڑھا گیا۔ مدیر)

اقبال کے ہاں اسلام کی انقلابی تعبیر اور پاکستان کے عصری حقائق کے درمیان روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی ہوئی خلیج کا خیال کرتا ہوں تو مجھے اقبال کی ایک چھوٹی سی نظم "اجتہاد" یاد آتی ہے جس کے آخری دو شعر یہ ہیں:

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

ستم ظریفی دیکھئے کہ آج ہم فکر اقبال کو صرف اس وجہ سے ناقص قرار دینے لگے ہیں کہ اس میں اسلام بیزار اور پاکستان دشمن قوتوں کے ساتھ دوستی کی گنجائش موجود نہیں۔ نتیجہ یہ کہ فلسفہ خودی کے عظیم مفکر کے تصورات کی یہ سرزمین آج خودی کی موت کا دلدوز منظر پیش کر رہی ہے اور ہمارے محقق یہ ثابت کرنے کے لئے دور کی کوڑیاں جمع کرنے میں مصروف ہیں کہ تصور پاکستان سے اقبال کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اقبال اور پاکستان کے حوالے سے یہ بحث نئی نہیں، بہت پرانی ہے۔ سن چالیس میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد پنڈت نہرو اور چند کانگرس نواز دانشوروں نے یہ بحث چھیڑی تھی جسے خود قائداعظم نے اپنے انجام تک پہنچا دیا تھا۔ بابائے قوم نے جہاں یہ اعلان کیا تھا کہ اقبال میرے دوست، فلسفی اور رہنما تھے وہاں انہوں نے اپنے نام اقبال کے خطوط بھی اس اعتراف کے ساتھ شائع کر دیئے تھے کہ اقبال کے نظریات کے زیر اثر ہی وہ بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ پاکستان کا قیام ناگزیر ہے۔ مقام حیرت ہے کہ سن چالیس سے سن سینتالیس تک جس استدلال کے ساتھ تحریک پاکستان کی نفی کی جا رہی تھی اور جس کی پرزور اور محکم تردید قیام پاکستان کی صورت میں ہو گئی تھی وہی رد کردہ استدلال آج پاکستان کے اندر فروغ پانے لگا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے جن خیالات کا اظہار تحریک پاکستان کے مخالفین کر رہے تھے وہی استدلال آج پاکستانی دانشور پیش کر رہے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے جس استدلال کو مسلمانوں کے خاص و عام باطل قرار دیتے تھے، ہم پاکستانی آج ان ہی بے پر کی باتوں پر کان دھرنے لگے ہیں۔

قومی طرز احساس کے اس زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ گزشتہ نصف صدی کے دوران ہم نے اسلام کے اس انقلابی تصور کے عملی نفاذ کی جانب ایک قدم بھی نہیں بڑھایا جو تصور پاکستان کا سرچشمہ اور تحریک پاکستان کی قوت محرکہ تھا۔ اقبال کا تصور پاکستان ایک دھندلا اور مبہم خواب نہیں بلکہ ایک واضح اور متعین مسلک اور ایک ٹھوس اور عملی لائحہ عمل ہے۔

سن تیس کے خطبہ الٰہ آباد میں اقبال نے اپنی گفتگو کے آغاز میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھا تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ اسلام اور مسلمانوں کے مقدر پر انہماک میں بسر کیا ہے جس کی بدولت وہ دیگر سیاسی اور دینی زعماء کے برعکس اسلام کے اجتماعی مقدر سے مایوس نہیں ہیں۔ جب ان کے پیش کردہ پروگرام پر اور تو اور اس زمانے کی مسلم لیگ تک نے کوئی توجہ نہ دی تو سن بتیس میں کل ہند مسلم کانفرنس کے خطبہ صدارت میں انہوں نے جہاں اس خدشہ کا اظہار کیا کہ ہماری قیادت موجودہ مشکلات کو ناقابل عبور سمجھ کر باطل کے ساتھ سمجھوتہ بازی پر آمادہ نظر آتی ہے وہاں ایک پیغمبرانہ تلقین کے ساتھ بزرگ نسل کی گمراہی کا علاج نوجوانوں کے عزم و عمل میں دیکھا۔ ایمان کی آگ کو شباب کی آگ میں حل کر دینے کی دعوت دیتے ہوئے اقبال نے یوتھ لیگز کے قیام پر زور دیا۔ نوجوانوں کی ان انجمنوں کے اراکین کو دور دراز قصبات اور دیہات تک پھیل کر تہذیبی اور اقتصادی شعور عام کرنے کا پروگرام دیا۔ اس خطبہ میں اقبال نے اگر ایک طرف نوجوانوں کو اسلام کے انقلابی پیغام کو سمجھنے کی دعوت دی تو دوسری جانب انہیں اس حقیقت کو جاننے کی تلقین بھی کی کہ برصغیر میں اسلام کی بقا کا انحصار کسانوں کو جاگیرداری کی زنجیروں سے آزاد کرانے میں مضمر ہے۔ اسلام کی یہی حقیقی روح اقبال کی شہرۂ آفاق تصنیف "جاوید نامہ" میں بھی جلوہ گر ہے۔

سن بتیس ہی میں شائع ہونے والے اس معجزہ فن میں اقبال، جمال الدین افغانی کی زبانی، عالم قرآنی کے خدوخال پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ وہ دنیا ہے جو ابھی تک قرآن حکیم میں پوشیدہ ہے۔ جب اس دنیا کا ظہور ہو گا تو دنیائے انسانیت یہ دیکھ کر دنگ رہ جائے گی کہ اس دنیا کی شام دنیائے فرنگ کی صبح سے بھی زیادہ روشن ہے۔ یہ وہ دنیا ہے جہاں زمین اور اس کے سینے میں دفن خزانے اللہ کی ملکیت ہیں، جس میں آقا اور غلام یکساں شرف انسانی کے حامل ہیں، جہاں انسانی مساوات کا مرکز شکم نہیں دل ہے، جہاں رنگ اور نسل کے امتیازات مفقود ہیں، جہاں آدمی نہ خود کسی کا غلام ہے اور نہ کسی دوسرے کو اپنا غلام بناتا ہے۔ جہاں حکمت خیر کثیر ہے اور سرمایہ داری کا نہ کوئی نام ہے نہ نشاں:

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

اس دنیا کے باطن کو کسی تغیر کا غم نہیں مگر اس کا ظاہر ہر لحہ ایک نئے انقلاب سے عبارت ہے۔ اس 'عالم قرآنی' کے محکمات بے نقاب کرتے وقت اقبال مسلمان معاشروں پر عرب ملوکیت اور مغربی استعمار کے زہریلے اثرات بھی نمایاں کرتے ہیں۔ یہ عرب ملوکیت اور فرنگی' سامراج ہی کا کیا دھرا ہے کہ عالم قرآنی ابھی تک پردہ تقدیر میں مستور ہے۔ یہ مثالی دنیا ابھی تک اس لئے ظہور نہیں پا سکی کہ:

منزل و مقصودِ قرآں دیگرے
رسم و آئینِ مسلماں دیگرے

عالم قرآنی کو وجود میں لانے کیلئے ہندی مسلمانوں کی ایک جداگانہ اسلامی مملکت کا قیام ناگزیر ہے مگر سیاسی قائدین یا تو ابن الوقت ہیں یا روحانی بصیرت سے بے نصیب بس لے دے کہ ایک محمد علی جناح ہیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہیں خط پہ خط لکھتے چلے جا رہے ہیں۔ Letters of Iqbal to Jinnah میں سے سن سینتیس کے ایک خط کو تو ایک امریکی محقق نے An Economic Blueprint of Pakistan کا

نام دیا ہے۔ اس خط میں اقبال، جناح کو بتاتے ہیں کہ مسلمان عوام اس وقت تک مسلم لیگ سے دور ہی رہیں گے جب تک یہ جماعت غریبوں کے روٹی روزگار کے مسائل کا کوئی تشفی بخش حل پیش نہیں کرتی۔ اقبال، جواہر لعل نہرو کی بے خدا سوشلزم کو رد کرتے ہوئے جناح کو اسلامی شریعت کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خوش قسمتی سے اسلامی شریعت میں روٹی روزگار کے مسائل کا اشتراکیت سے بھی کامل تر حل موجود ہے مگر اسلامی شریعت کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نافذ کرنے کے لئے ایک جداگانہ اسلامی مملکت کا قیام ناگزیر ہے۔ صرف تین سال بعد محمد علی جناح کی قیادت میں مسلم لیگ نے اقبال کی دکھائی ہوئی راہ اختیار کر لی۔ اقبال کی دکھائی ہوئی راہ کو اپناتے ہی مسٹر جناح، قائداعظم بن گئے، پورے اسلامی ہند کے کوچہ و بازار میں یہ صدا گونجنے لگی۔

مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان عدم سے وجود میں آگیا۔

قیام پاکستان کے ساتھ ہی ہماری جاگیردار قیادت اور فرنگی مآب افسر شاہی نے اقبال کی راہ ترک کر دی کیونکہ انقلابی اسلام جاگیرداری اور سرداری کے سے نظاموں کی موت اور فرنگی انداز سیاست سے نجات کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا اور یہ سب خرافات ہماری قیادت کو اسلام سے بڑھ کر پیاری ہیں:

داغم از رسوائیِ ایں کارواں
در امیرِ او ندیدم نورِ جاں
تن پرست و جاہ مست و کم نگہ
اندرونش بے نصیب از لا الہ
در حرم زاد و کلیسا را مرید
پردۂ ناموسِ ما را بر درید
دامنِ او را گرفتن ابلہی است
سینۂ اُو از دلِ روشن تہی است
اندریں رہ تکیہ بر خود کن کہ مرد
صیدِ آہو با سگِ کورے نکرد

گزشتہ پچاس برس سے ہم اقبال کے پیغام کو بھلا کر، اپنی ذات پر تکیہ کرنے کی بجائے کلیساء کے مرید رہنماؤں پر اعتماد کرتے چلے آرہے ہیں۔ گویا، اقبال کے لفظوں میں، اندھے کتے سے توقع کرتے چلے آرہے ہیں کہ وہ ہمیں ہرن کا شکار کھلائے گا۔ یہ اندھے کتے کی بینائی پر اعتماد ہی کا نتیجہ ہے کہ پچاس برس پیشتر عدم سے وجود میں آجانے والے پاکستان کے بارے میں آج ہم وجود سے عدم میں چلے جانے کی سناؤنیاں سن رہے ہیں۔

اس صورت حال کے ذمہ دار یوں تو ہم سب ہیں مگر سب سے بڑی ذمہ داری فرنگی انداز سیاست اور علمائے کرام پر عائد ہوتی ہے۔ اپنی کتاب "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں اقبال اسلامی سیاست اور سامراجی سیاست میں فرق بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں حکمرانی اور درویشی کا امتزاج ہوتا ہے اور فرنگی سیاست میں حکمرانی اور شیطانی یکجا ہو جاتے ہیں:

دانی از افرنگ و از کارِ فرنگ
تاکجا در قیدِ زنّارِ فرنگ
زخم ازو، نشتر ازو، سوزن ازو
ما و جوئے خون و امیدِ رفو
خود بدانی پادشاہی قاہری است
قاہری در عصرِ ما سوداگری است
تختۂ دکّاں، شریکِ تخت و تاج
از تجارت نفع و از شاہی خراج

گویا سوداگر حکمران تخت حکومت پر متمکن ہونے کے باوجود کار جہانبانی کی فکر سے کہیں زیادہ اپنی دکان کے

تجزیے کی فکر میں پیچاں و غلطاں رہتا ہے۔ اس لئے عوام کو اس پر اعتماد کرنے کی بجائے اپنی ذات پر اعتماد کرنا پڑتا ہے یعنی اپنی خودی بیدار رکھنی پڑتی ہے۔

اقبال اپنے عہد کے بیشتر مذہبی رہنماؤں کو دین نبیؐ کی حکمت سے ناآشنا اور فرقہ آرائی میں محو دیکھتے تھے اس لئے ان کی اس کتاب کا بیشتر حصہ "اسرار شریعت" کے بیان پر مشتمل ہے۔ وہ صوفی و ملا کو اپنے زاویوں اور حجروں کی نیم تاریک فضا سے نکل کر زندگی کی وسیع و عریض رزم گاہ میں اترنے کی دعوت دیتے ہیں:

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم
تاکجا در حجرہ می باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن
نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن
کس نگردد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

اقبال کی نظر میں اسلامی شریعت کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا محتاج نہ رہے مگر اقبال کے عہد کے بیشتر علماء غریب اور محتاج خلقِ خدا کے روٹی روزگار کے مسائل کو عملاً دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیکر فقط تعزیر و تکفیر کا کھیل کھیلنے میں مصروف تھے۔ ان میں کوئی شاہ ولی اللہ کا سا جامع المتفرقین تو کجا، حجتہ اللہ البالغہ کے اس نکتے کو سمجھنے والا بھی پیدا نہ ہوا کہ جس معاشرے کی اقتصادی تنظیم فرعونی اصولوں پر قائم ہو اس میں اسلامی اخلاق نہ پیدا ہو سکتا ہے نہ پنپ سکتا ہے۔ ایسے میں اقبال نے ہم پر اسلام کی انقلابی روح کو منکشف کرنے کا فریضہ بھی خود ہی سرانجام دیا۔ افسوس صد افسوس کہ اس انقلابی اسلام کو ہم نے آج تک پاکستان میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اقبال پکار رہے ہیں:

بو تُراب را حیدرِ کرّار کُن

مگر ہم حیدر کرارؓ کی درویشی باقاہری کا مسلک چھوڑ کر ابولہب کی شہنشاہیت کے آگے جھولیاں پھیلا پھیلا کر بھیک مانگنے میں مصروف ہیں اور پاکستان کی نظریاتی اساس کو عالمی بینک اور آئی ایم ایف وغیرہم کے ہاتھ گروی رکھنے کو راہ نجات سمجھنے لگے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ سمندر پار سے پڑھایا جانے والا یہ سبق طوطے کی طرح رٹنے میں محو ہیں کہ یہ نظریاتی سیاست کا دور نہیں مفاداتی سیاست کا عہد ہے----- اس طرح کی ابن الوقت سیاست کی چاکری میں مصروف قائدین کو یہ بات ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ پاکستان کا جغرافیائی وجود اقبال کی اسلامی انقلابی فکر سے پھوٹا ہے اگر آج ہم اپنے نظریاتی وجود کو عالمی مالیاتی اداروں کے مفادات پر تج دیں گے تو کل ہمارا جغرافیائی وجود بھی غائب ہو جائے گا' میرے منہ میں خاک!

فرمان قائدؒ

"تیرہ صدیاں گذر جانے پر بھی اچھے اور برے احوال و ظروف کے باوجود جن سے مسلمان گزرے ہیں، ہم لوگ اپنی عظیم اور مقدس کتاب پر نازاں ہی نہیں رہے ہیں بلکہ ان تمام زمانوں میں اس کے جملہ اصولوں کے ساتھ ہمارا تعلق برقرار رہا ہے۔"

(طلوع اسلام فروری 59ء صفحہ 70)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم

طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ دین کے غیر متبدل اور ابدی اصول قرآن کریم کے اندر ہیں اور ہر زمانے کا اسلامی نظام اپنے زمانے کے حالات کے مطابق، ان اصولوں کی جزئیات مرتب کر سکتا ہے۔ سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے ان جزئیات کو مرتب فرمایا۔ اگر بعد کے زمانے کا اسلامی نظام یہ سمجھے کہ اس کے زمانے کے حالات کا تقاضا ہے کہ ان جزئیات میں کچھ تبدیلی کر لی جائے تو وہ ایسا کرنے کا مجاز ہے (جیسا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بعض فیصلوں میں تبدیلی کی تھی) ہمارے مخالفین کا کہنا یہ ہے کہ اس مسلک سے انکار حدیث لازم آتا ہے۔ اس لئے وہ طلوع اسلام کو "منکر حدیث" کہتے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ یہ مسلک سب سے پہلے طلوع اسلام نے اختیار کیا ہے یا اس سے پہلے بھی کسی نے ایسا کیا ہے۔

علامہ اقبالؒ اپنے خطبات (تشکیل جدید الٰہیات) میں لکھتے ہیں:

"احادیث کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی حیثیت قانونی ہے اور دوسری وہ جو قانونی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اول الذکر کے بارے میں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک ان رسوم و رواج پر مشتمل ہیں جو اسلام سے پہلے عرب میں رائج تھے اور جن میں سے بعض کو رسول اللہ صلعم نے علیٰ حالہ رکھا اور بعض میں ترمیم فرما دی۔ آج یہ مشکل ہے کہ ان چیزوں کو پورے طور پر معلوم کیا جا سکے۔ کیونکہ ہمارے متقدمین نے اپنی تصانیف میں زمانہ قبل از اسلام کے رسوم و رواج کا زیادہ ذکر نہیں کیا۔ نہ ہی یہ معلوم کرنا ممکن ہے کہ جن رسوم و رواج کو رسول اللہ ﷺ نے علیٰ حالہ رکھا (خواہ ان کے لئے واضح طور پر حکم دیا ہو یا ویسے ہی ان کا استصواب فرما دیا ہو) انہیں ہمیشہ کے لئے نافذ العمل رکھنا مقصود تھا۔ اس موضوع پر شاہ ولی اللہؒ نے بڑی عمدہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ شاہ صاحبؒ نے کہا ہے کہ پیغمبرانہ طریق تعلیم یہ ہوتا ہے کہ رسول کے احکام ان لوگوں کے عادات و اطوار اور رسوم و رواج کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے ہیں جو اس کے اولین مخاطب ہوتے ہیں۔ پیغمبر کی تعلیم کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ عالمگیر اصول عطا کر دے لیکن نہ تو مختلف قوموں کے لئے مختلف اصول دیئے جا سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں بغیر کسی اصول کے چھوڑا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مسلک زندگی کے لئے جس قسم کے اصول چاہیں وضع کر لیں۔ لہٰذا پیغمبر کا طریق یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص قوم کو تیار کرتا ہے اور انہیں ایک عالمگیر شریعت کے لئے بطور خمیر استعمال کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ ان اصولوں پر زور دیتا ہے جو تمام نوع انسانی کی معاشرتی زندگی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں لیکن ان اصولوں کا نفاذ اس قوم کے عادات و خصائل کی

روشنی میں کرتا ہے جو اس وقت اس کے سامنے ہوتی ہے۔ اس طریق کار کی رو سے رسول کے احکام اس قوم کے لئے خاص ہوتے ہیں اور چونکہ ان احکام کی ادائیگی بجائے خویش مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ انہیں آنے والی نسلوں پر من و عن نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ غالباً" یہی وجہ تھی کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے (جو اسلام کی عالمگیریت کی خاص بصیرت رکھتے تھے) اپنے فقہ کی تدوین میں حدیثوں سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے تدوین فقہ میں استحسان کا اصول وضع کیا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ قانون وضع کرتے وقت اپنے زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھنا چاہئے۔ اس سے احادیث کے متعلق ان کے نقطہ نظر کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے تدوین فقہ میں احادیث سے اس لئے کام نہیں لیا کہ ان کے زمانہ میں احادیث کے کوئی باضابطہ مجموعے مرتب نہیں ہوئے تھے۔ امام مالک اور زہری کے مجموعے ان کی وفات سے قریب تیس سال پہلے مرتب ہو چکے تھے۔ لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ مجموعے امام صاحب تک پہنچ نہیں پائے تھے یا ان میں قانونی حیثیت کی احادیث موجود نہیں تھیں، تو اگر امام صاحب اس کی ضرورت سمجھتے تو وہ احادیث کا اپنا مجموعہ مرتب فرما سکتے تھے، جیسا کہ امام مالک اور ان کے بعد امام احمد بن حنبل نے کیا تھا۔ ان حالات کی روشنی میں میں بھی یہ سمجھتا ہوں کہ ان احادیث کے متعلق جن کی حیثیت قانونی ہے امام ابو حنیفہؒ کا یہ طرز عمل بالکل معقول اور مناسب تھا اور اگر آج کوئی وسیع النظر مقنن یہ کہتا ہے کہ احادیث ہمارے لئے من و عن شریعت کے احکام نہیں بن سکتیں تو اس کا یہ طرز عمل امام ابو حنیفہؒ کے طرز عمل کے ہم آہنگ ہو گا جن کا شمار فقہ اسلامی کے بلند ترین مقننین میں ہوتا ہے۔"

(خطبات اقبال صفحہ 164-163)

آپ نے غور فرمایا کہ جو مسلک طلوع اسلام نے پیش کیا ہے امام ابو حنیفہؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علامہ اقبالؒ کا بھی وہی مسلک تھا۔ اس سے آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ اگر اس مسلک کا نام انکار حدیث ہے تو اس سے کتنی کتنی بڑی ہستیاں منکرین حدیث قرار پاتی ہیں۔

اپیل

اگرچہ کراچی شہر کو تحریک طلوع اسلام کا اولین گہوارا ہونے کا شرف حاصل ہے اور اہالیان کراچی درس قرآن کی اس روائت کو جس کی طرح علامہ غلام احمد پرویزؒ نے ڈالی تھی، اسی طرح قائم رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اتنی بڑی آبادی والے اس مالدار شہر میں کوئی مستقل قرآنی درسگاہ آج تک قائم نہیں کی جا سکی لہذا قرآنی فکر سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے اپیل ہے کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے ہماری مالی معاونت فرما کر کراچی میں مستقل قرآنی درسگاہ قائم کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ عطیات بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) اکاؤنٹ 1-60299، حبیب بینک لمیٹڈ (کورنگی روڈ برانچ (1910) فیز II- ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی کے نام ارسال فرمائیں۔

بزم طلوع اسلام کراچی (صدر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنرل (ر) غلام عمر

اقبال اور قرآن

(یہ مقالہ ایوان اقبال میں منعقدہ سیمینار بعنوان "اقبال اور قرآن" میں یکم نومبر 1998ء کو پڑھا گیا۔ مدیر)

اگر کسی کو فصاحت و بلاغت قرآنی کا اندازہ کرنا ہو تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس کام کے لئے زبان دانی کامل کی ضرورت ہے اور علم و معانی و بیان میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا ہونا لازمی ہے اور پھر فہم سلیم و طبع ہموار کی شرط لابدی ہے۔

اور اگر یہ آنکھیں' یہ عینک' یہ دوربین کسی کو مل جائیں تو وہ بے اختیار بول اٹھے گا کہ قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت طاقت بشری سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی آنکھیں' ایسی عینک اور ایسی دوربین کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کو فہم سلیم اور طبع ہموار بھی اپنی کمال مہربانی کے ساتھ عطا فرمائی۔

قرآن کریم کے مضامین عالیہ جو اس کی خصوصیت خاصہ ہیں یہ وہ بصائر ہیں جو دیدہ کوتاہ بیں کے حجاب اٹھا دیتی ہیں اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں۔

قرآن کریم نے فرمایا ہے۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ○ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ○(88:17-20)- قرآن کریم یہاں اونٹ' آسمان' پہاڑ اور زمین کے نام لیتا ہے کیا یہ وہی چیزیں نہیں جن کو ہر ایک ہر وقت دیکھا کرتا ہے جو آنکھوں کے سامنے موجود ہیں لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کی نظر خلقت و رفعت و تمکنت و وسعت کی کیفیت دریافت کرنے کی جانب کبھی نہیں اٹھتی تھی۔ قرآن مجید نے آنکھیں کھول دیں تو اب ان معانی کی کیفیت بھی معلوم ہونے لگی اور ہر ایک چیز سے خالق مطلق کی قدرت خالقیت اور رفیع الدرجات کی فوقیت۔ سکون و حرکت کی آفرینش میں عزیزالحکیم کا غلبہ اور حکمت کی فراوانی اور اس کے گوناگوں فوائد کی فراوانی و کثرت بھی نظر آنے لگی۔

کاش آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں صاحب دل دلوں کے غلاف اتار کر اور بصیرت سے قفل کھول کر کام لیں کہ حسن قرآنی کی عالم افروزی ان پر روشن ہو جائے۔

خصوصیات قرآن کریم بے شمار ہیں ان میں چند یہ ہیں۔

1- تعلیم قرآن پاک کا کل عالم کے لئے وسیع اور عام ہونا۔

2- قرآن کریم کی تعلیم کا جامع ہونا۔

3- یہ خصوصیت قرآن مجید کی خاص ہے کہ علوم اخروی اور علوم عقلی کے دو دریا پہلو بہ پہلو جوش مارتے نظر آتے ہیں۔

4- اس کی تعلیم کسی قوم اور کسی ملک کی زباں کے لئے محدود نہیں۔

5- اس کے ارشادات انسانی فطرت صحیحہ کے مخالف نہیں۔

6- وہ ناقابل تعمیل احکام کا خود کو مجموعہ نہیں بناتا۔

7- قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے جسے نبی ﷺ نے کلام اللہ اپنی زبان مبارک سے حرفاً" حرفاً" سنایا۔

چنانچہ قرآن مجید کا مبلغ اول اور معلم صرف ایک ہے حضور سرور کائنات ﷺ۔ اس صحیفہ کا خود اسی کے ذریعہ آغاز ہوا اور اسی کے ذریعہ اختتام ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ یہ مصحف مقدس اپنے مضامین میں مکمل اپنی تبلیغ میں کامل دعوت الی اللہ میں یگانہ' رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے۔

ہم فلسفہ قرآن کی روشنی میں فکر اقبال کے حوالے سے سمجھتے ہیں کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات اور آپ کی سیرت ہمارا مرکز ہے۔ آپ ہی مبلغ علم ہیں' آپ ہی آئینہ ذات کے مظہر' اسمائے صفات کی جائے نہایت اسرار ملکوت کی منزل' حقائق لاحوت کے جمع ہونے کی جگہ' رموز ناسوت کا منبع' اسمائے صفات کی کرسی' ذرات و طبیعات کا مادہ' الوہیات کا فلک اطلس' بلندیوں اور ترقیوں کے فخر کا آسمان' کمال و نہایت کا ماہ کامل' ہدایت و برگزیدگی کا ستارہ۔ بلکہ اپنی حیثیت میں ام الکتاب۔

علامہ نے کیا خوب کہا ہے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

لیکن افسوس آج مسلمان جس معاشرتی بے چینی کا شکار ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ سیرت محمدیہ ﷺ کے حقیقی اسرار و رموز سے ناواقف ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں :

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے یہ قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ○

(39:63)-

"اے نبی کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے وہ غفور الرحیم ہے"۔

اس آیہ مبارکہ کو علامہ اقبال کیسے عجیب رنگ میں بیان کرتے ہیں جہاں جرائیل علیہ السلام اور ابلیس کی گفتگو ہے۔ جبریل فرماتے ہیں۔ آؤ ابلیس تمہارے گناہوں کی بخشش خدا تعالیٰ سے کرا دوں۔

جبریل

ہم دمِ دیرینہ کیا ہے یہ جہانِ رنگ و بو

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغِ جستجو و آرزو

جبریل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو

ابلیس

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو
اب یہاں میری گذر ممکن نہیں ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالمِ بے کاخ و کو
جس کی نومیدی سے ہو سوزِ دروں کائنات
اس کے حق میں تَقْنَطُوْ اچھا ہے یا لَاتَقْنَطُوْ

مفکر اسلام کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو طالب علم اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان کی فکر مخصوص عقائد کی پیروی نہیں کر رہی اور نہ ہی مذہبی منافرت اور فرقہ واریت کا کوئی نظریہ جنم دے رہی ہے بلکہ یہ فکر دراصل کشاف القرآن ہے کیونکہ قرآن کریم کا موضوع انسان ہے ان کا کلام اس موضوع کی تشریح و توضیح کر رہا ہے۔

قرآن کی روشنی میں مفہوم علم کیا ہے۔ علم میں ارتقاء، جستجو اور معقولات کے وہ جوہر ہیں جن کی چمک سے روایات و منقولات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ علامہ کو فخر تھا کہ انہوں نے فکری افراتفری کے اپنے دور معاصر میں امت مسلمہ کو اصل دین کی جانب قرآن کی روشنی میں پکارا۔ انسان نے جب بھی فکر و شعور کے علم بلند کرنے کی کوشش کی تو انسانی صورتوں میں ایسی دیواریں حائل ہو گئیں جنہوں نے توہمات نفس کا سہارا لے کر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان مرد مومن بن کر قوم کی صحیح قیادت کرے۔ آیہ مبارکہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ○ (35:28)۔

"اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے اللہ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں بے شک اللہ زبردست اور در گذر فرمانے والا ہے"

علامہ اس آیہ مبارکہ کا مفہوم ایسے بیان کرتے ہیں کہ علماء وہ ہیں جو مادی و معنوی علوم پر دسترس رکھتے ہیں۔ ان میں ایک آسمانی بے چینی ہو جو فطرت کو مسخر کرنے میں سرگرداں ہو۔ بلندی انسان کو جب حاصل ہو گی جب وہ خانقاہوں سے نکلے اور فروعی و نظری مسائل کی زنجیروں سے آزاد ہو یعنی صاحب علم کے لئے ضروری ہے کہ اس کے نظریات ترقی پسند ہوں۔

ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ○ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (3:189-190)۔

"بے شک آسمان اور زمین کا بنانا رات دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں"

علامہ فرماتے ہیں۔

یہ سب ہیں ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے عَلَّمَ الْاَسْمَاء
مقام ذکر کمالات رومی و عطار
مقام فکر مقالات بو علی سینا
مقام فکر ہے پیمائش زمان و مکاں
مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

علامہ فرماتے ہیں کہ علم انسانی کی نوعیت تصوری ہے جسے ہاتھ میں لے کر انسان حقیقت مطلقہ کے قابل مشاہدہ پہلوؤں کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ تقلید توہم پرست، روایت پرست، صنم پرست ہے۔ علم تقلیدی روحانیت سے ماورا ہے اور اس کی پہنچ صرف مادیت تک ہے اس کے برعکس تحقیق ارتقا، تلاش، جستجو اور طلب کا نام ہے ظاہر پرست ملا تحقیق کی پرزور مخالفت کرتے ہوئے اسے دین کافری کا نام دیتے ہیں لیکن علامہ اس کا جواب دیتے ہیں۔

دین کافر فکر و تدبیر و جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

آزادی، تحقیق جستجو ہی علم کی صحیح بنیادیں ہیں۔ علامہ

دراصل تحقیق کو اطاعتِ تشریحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے کہہ اٹھتے ہیں۔

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات

اس میں بندہ مومن کی اطاعت کا ایک صحیح خاکہ ہمارے سامنے آتا ہے اگر ہم معاشرے کی بنیادی تعریف پر غور کریں تو بات مکمل طور پر واضح ہو سکتی ہے۔ فکری ہم آہنگی رکھنے والے افراد کا نام معاشرہ ہے جہاں افراد آپس میں فکر کے لحاظ سے مربوط ہوں۔ چودہ سو سال پہلے کا اسلامی انقلاب کوئی عسکری انقلاب نہیں تھا جہاں کسی وسیع ریاست کے لئے جدوجہد کرنا مقصود ہو بلکہ ایک صحیح فکری انقلاب برپا کرنا تھا جو تعمیر آدمیت کی بنیاد بنے، جہاں آزادی ضمیر، آزادی رائے، آزادی اجتماع اور آزادی تنظیم ہو اور اخلاقی قدریں بلند ہوں۔

حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا وہ حق پر لڑتے رہیں گے اور وہ ہیں اہل علم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اللہ نے علم سے آغاز کیا ہے۔

علامہ نے اپنے عقائد کو جس انداز سے بیان کیا ہے اور فلسفہ اسلام کی تشریح پیش کی وہ عام راسخ العقیدہ ملاؤں کے انداز سے الگ تھا وہ صرف ملاؤں سے ہی بیزار نہیں بلکہ سب سے زیادہ صوفیوں سے بے زار ہیں کیونکہ خود ساختہ تصوف نے اسلام کی شکل کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا اور غلط رسومات کو دین کا جزو بنا دیا تھا۔

اس لئے علامہ فرماتے ہیں:

صوفی کی طریقت ہے فقط مستیٔ احوال
ملا کی شریعت ہے فقط مستیٔ گفتار
ساغر کی نوامردہ و افسردہ و بے ذوق
افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

واقعی آج کے ترقی یافتہ دور میں معاشرے کو نہ مستی گفتار کی ضرورت ہے نہ مستی احوال کی بلکہ مستی کردار کی ضرورت ہے جس کے دامن سے ولایت و قلندری جنم لیتی ہے۔

- علامہ اپنی کتاب تاریخ تصوف میں فرماتے ہیں:

"تصوف کے ادبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت قابل قدر ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفہ کا حصہ محض بے کار ہے"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں ایک عرصے تک ایسے عقائد و مسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیا کے ساتھ خاص ہیں اور جو بعد میں قرآن شریف پر تدبر کرنے میں قطعاً" غیر اسلامی ثابت ہوئے"

ان خطوط کے مطالعے سے جو علامہ نے وقتاً" فوقتاً" مختلف حضرات کو تحریر کئے بعض اہم باتیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً"

مذہب کا مقصود عمل ہے اور آج وہی قوم محفوظ رہ سکے گی جو اپنی عملی روایات کی پابند ہو۔

دنیائے اسلام کا احیاء توحید کے اصول کو اپنانے میں ہے

اسلام کی دشمن سائنس نہیں یورپ کا علاقائی نیشنلزم ہے۔

علامہ جہاں اپنی ملت کا احیا چاہتے ہیں وہاں تمام بنی نوع انسان کا ارتقاء بھی۔ اور یہ اس صورت میں ممکن

ہے کہ قدامت پرستی اور تقلید کی نفی کی جائے وہ چاہتے ہیں کہ عقیدوں اور روایتوں سے ہٹ کر ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد ڈالی جائے اور اگر ایسا ہو تو پھر مسلمان قوم ایک مرتبہ پھر ترقی یافتہ قوم کہلائے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو مغربی تہذیب یافتہ افراد اور مغرب کے لوگ جیسے ماضی میں انہوں نے مسلمانوں کی تمام علمی دولت کو لوٹ لیا تو کہیں مسلمانوں کے چند بچے کھچے دانش وروں کا حشر بھی یہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
تخیلات کی دنیا غریب ہے لیکن
غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا
عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری
بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا (55:10)- کی تشریح الارض اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد ساز گار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نور آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

علامہ فرماتے ہیں:

"اسلام قید وطن سے آزاد ہے اس کا مقصد ہے ایک ایسے انسانی معاشرے کی تشکیل جو مختلف نسلوں اور قوموں کو باہم جمع کرتے ہوئے ایک ایسی امت تیار کرے جس کا اپنا ایک مخصوص شعور ذات ہو"۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہو"۔

اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ جو عدل و انصاف اور وسط کی روش پر قائم ہو جو دنیا کی قوموں کے درمیان مدد کی حیثیت رکھتا ہو جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو۔

آخیر میں میں اپنی عرض داشت ختم کرتے ہوئے آپ کی توجہ سورہ نحل کی آیہ مبارکہ کی طرف چاہوں گا۔

ارشاد باری ہے:

"پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ خود بھی غور و فکر کریں"۔

وما علینا الا البلاغ

فرمان قائدؒ

"اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں ہمارا نصب العین کیا ہے؟ یاد رکھئے ہمارا نصب العین تھیا کریسی نہیں ہم تھیا کریٹک اسٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔" (مسلم کونشن دہلی- 11 اپریل 46ء--- طلوع اسلام نمبر 72، صفحہ 29)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقد و نظر

نام کتاب : "اللہ لوک"

مصنف : ڈاکٹر مرتضیٰ عادل

ڈاکٹر مرتضیٰ عادل بحیثیت مترجم متعدد زبانوں کی کہانیوں کو اردو زبان میں منتقل کر چکے ہیں اور خاص طور پر فرانسیسی کہانی کار موپساں کی کہانیوں کے تراجم کے حوالے سے ڈاکٹر مرتضیٰ عادل اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔ گزشتہ چند ماہ قبل ان کی اپنی تخلیق کردہ کہانیوں کا مجموعہ "اللہ لوک" کے نام سے شائع ہوا۔ اس مجموعے میں کل گیارہ کہانیوں کے علاوہ کتاب کے آخر میں ایک تحقیقی مضمون "تصوف قرآن کے آئینے میں" شامل ہے جس میں عقیدہ وحدت الوجود (تصوف) کے بنیادی نظریات کا قرآن حکیم کے ساتھ موازنہ کر کے مصنف نے تصوف کو قطعاً" غیر اسلامی مسلک ثابت کیا ہے۔ کتاب میں شامل تمام کہانیاں مختلف کرافٹ اور اسلوب میں ہونے کے باوجود موضوعاتی سطح پر ایک ہی تسلسل کی وضاحت میں لکھی گئی ہیں' ڈاکٹر مرتضیٰ عادل نے تمام کہانیوں میں تصوف کے فرسودہ نظریات و خیالات کی آوارگی کی نشاندہی اور ان کا حل اسلامی تصورات کو مدنظر رکھ کر پیش کیا ہے۔ اردو ادب میں غالباً" یہ کہانیوں کی پہلی کتاب ہے جس میں تصوف کو بنیاد بنا کر مصنف نے ایک الگ سکول آف تھاٹ قائم کیا ہے اور ان کہانیوں میں موجود فکری مواد کی مضبوطی کو محسوس کرتے ہوئے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ کہانیاں ترتیب دیتے ہوئے مصنف نے تحقیقی پہلو کو تخلیقی عمل سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس لئے تمام کہانیوں میں حوالہ جات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کتاب جن کہانیوں پر مشتمل ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

(1) بازگشت (2) گمراہ (3) تہتروان فرقہ (4) پاکھنڈی (5) آخری نگر مانس (6) انیک خداؤں کے یہ پرستار (7) پیش گوئی (8) شرک کدے (9) محمدی یا ہندو (10) ابلیسی (11) اللہ لوک اور مضمون تصوف قرآن کے آئینے میں۔

مصنف نے اپنے نظریہ فن کی حمایت میں اجمالی طور رقم کیا ہے کہ

"تصوف کی بنیاد وحدت الوجود پر ہے جو قطعاً" غیر اسلامی نظریہ ہے اور اسلام کا بنیادی آئین قرآن حکیم ہے لیکن علمائے تصوف نے اپنے نظریئے (وحدت الوجود) کی تائید میں قرآن حکیم کی جن آیات سے حوالہ جات پیش کئے ہیں ان کے سیاق و سباق اور نظم کلام کو پس پشت ڈالتے ہوئے غلط تاویلوں سے اہل اسلام کو اس نظریئے پر راغب کر لیا ہے۔ وحی خداوندی (قرآن مبین) کی راہنمائی میں صراط مستقیم کی نشاندہی کے پیش نظر کتاب ہذا میں تصوف کو موضوع بنایا گیا ہے"۔

قرآن حکیم کی کمٹمنٹ میں لکھی گئی حوالہ جاتی کہانیوں کی یہ کتاب "تبلیغ وحی ٹرسٹ لاہور۔ 6" نے شائع کی ہے' کتاب اچھے کاغذ پر اور کتابت جدید ترین یعنی کمپیوٹر کمپوزنگ کروائی گئی ہے۔ اس کتاب کو شائع کرنے کا اہتمام میاں سجاد مرتضیٰ نے کیا ہے۔ سرورق سلیم اختر نے بنایا ہے جبکہ 184 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف 80 روپے ہے۔

تبصرہ نگار -- انعام ادیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر عبدالخالق
صدر پاکستان فلسفہ کانگرس

اقبال اور قرآن

ایک نئے علم کلام کی اساس

(یہ مقالہ ایوان اقبال میں منعقدہ سیمینار بعنوان "اقبال اور قرآن" میں کیم نومبر 1998ء کو پڑھا گیا۔ مدیر)

علامہ اقبال نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف Reconstruction of Religious Thought in Islam کے آخری باب میں مذہبی فکر کے بالعموم اور قرآن فہمی کے بالخصوص تین درجات کا ذکر کیا ہے۔ پہلا درجہ اعتقاد کا ہے جو ان کے نزدیک عوام الناس کے لئے مخصوص ہے۔ اس سطح پر ایک عام آدمی قرآن حکیم کے بیان کردہ حقائق اور قضایا پر محض **آمنا و صدقنا** کہنا کافی سمجھتا ہے اور ان کے اسرار و رموز اور ان کے اندر موجود حکمتوں کو دریافت کرنے کی یا تو ضرورت محسوس نہیں کرتا یا اس مہم جوئی کی اس میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ افراد کی اجتماعی زندگی میں۔۔ خصوصا" جہاں تک اس زندگی کے اولیں ادوار کا تعلق ہے۔۔۔ نظم و ضبط اور وحدت پیدا کرنے کے لئے مذہبی ہونے یا کہلانے کی یہ صورت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے اگرچہ انشراح صدر، وسعت ذات اور تربیت روح کے حوالے سے اس کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ دوسرا درجہ فکر و تدبر کا ہے جہاں قرآنی قضیوں اور اس کے اوامر و نواہی کی تصویب کے لئے دلائل بہم پہنچاتے جاتے ہیں اور یوں ان کی اساس تلاش کرنے کی جدوجہد کی جاتی ہے۔ اس طرح مذہبی مابعد الطبیعیات کی ایک پوری عمارت معرض وجود میں آجاتی ہے جس میں بلاشبہ مرکزی حیثیت اللہ تعالیٰ کی ذات کی ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ انکشاف حقیقت' یا عرفان ذات کا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر مذہبی آدمی کا رویہ مابعد الطبیعیاتی کی بجائے نفسیاتی ہوتا ہے اور یہ اس کی اس شدید خواہش کی بنا پر ہے کہ وہ حقیقت مطلقہ سے براہ راست اتحاد و اتصال قائم کرلے اور اسے فکر و تخیل کا نہیں بلکہ بلا واسطہ ادراک کا موضوع بنائے۔ منہاج کے اعتبار سے فلسفے اور تصوف کے مابین یہی بنیادی فرق ہے۔ مذہبی ادراک کے اس تیسرے اور آخری درجے پر قرآن فہمی کے لئے ہمیں کسی قسم کی توجیہ و تفسیر اور ظن و قیاس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اعتقاد کی سطح پر صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ہم بعض آیات کو محکم قرار دے کر ان پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں اور بعض کو متشابہات کے زمرے میں شمار کرتے ہوئے انہیں ہی قبول کر لینے پر اکتفا کرتے ہیں اور ان کے اصل مفہوم کا کھوج لگانے کو ضلالت و گمراہی خیال کرتے ہیں۔ عقلی سطح پر ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ قرآن حکیم کی جملہ آیات کو متشابہات کے قبیل میں شمار کرتے ہوئے ان کے استعاراتی لبادے سے ماورا اصل مفہوم کا کھوج لگاتے چلے جائیں یہاں تک کہ ہم اس حد تک پہنچ جائیں جہاں ہماری اس کاوش کی زد خود مذہب کے بنیادی ڈھانچے پر پڑتی ہوئی دکھائی دے۔ اس حد کا تعین دو باتوں پر منحصر

ہے اول یہ کہ ہم عقل کی رسی کو کہاں تک دراز کرتے ہیں اور دوم یہ کہ ہمارے نزدیک مذہب کا بنیادی ڈھانچہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں برصغیر کے نامور مذہبی مفکر مولانا محمد حنیف ندوی کے ایک مضمون کا حوالہ دینا بے جا نہ ہو گا۔ اس مضمون کا عنوان ہے: "قرآن میں رمز و اشارہ کی چند مثالیں"۔ اس میں مولانا نے عقلی طریق کار کو اپناتے ہوئے صفات خداوندی آفرینش کائنات' تخلیق آدم' جنات و ملائکہ' شیطان' جنت و دوزخ اور قصص پر مشتمل سب بیانات کو آیات متشابہات میں شمار کیا ہے اور ان کی مافوق الفطری حیثیت کو ختم کرنا ضروری سمجھا ہے۔ تاہم بعض جدید مغربی فلاسفہ مذہب کے علی الرغم جو خدا کو بھی اقدار کا ایک مجموعہ قرار دینے سے گریز نہیں کرتے۔ مولانا' اللہ تعالٰی کی شخصی حیثیت پر کسی قسم کی مصالحت کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ ان کے مطابق وہ ہماری نفسی اور علمی زندگی کا ایک ایسا ناگزیر مطالبہ ہے کہ جس کے بغیر ہمارا قلب ایک طرح کا خلا اور ویرانی سی محسوس کرتا ہے اور ہماری زندگی کی تفصیلات تشنہ اور نامکمل سی رہتی ہیں۔ اور (2) تمام سامی مذاہب میں بالعموم اور قرآن میں بالخصوص اللہ تعالٰی کی ذات گرامی کو اس درجہ مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ نفی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عقلی سطح سے بلند تر اور آخری یعنی اتحاد و اتصال کی سطح پر قرآن حکیم کی جملہ آیات اسی مناسبت سے محکم حیثیت اختیار کرتی چلی جاتی ہیں جس مناسبت سے ہمارا اتصال کا یہ تجربہ زیادہ سے زیادہ مکمل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس بات میں شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ خود صاحب وحی آنحضرت ﷺ کے لئے سارا قرآن محکم تھا۔ احادیث شاہد ہیں کہ حروف مقطعات۔۔ جن کی متشابہ حیثیت مفسرین کے ہاں مسلم ہے۔۔ کے معانی بھی آپ پر صاف اور واضح تھے۔ اسی مثالی صورت حال کے پیش نظر علامہ اقبال نے خطبات میں "ایک صوفی" کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک قرآن کو نہیں سمجھ سکتا جب تک یہ اس پر اسی طرح نازل نہ ہو جس طرح آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ سید نذیر نیازی نے اپنی کتاب "اقبال کے حضور" میں تحقیق کی بنا پر یہ انکشاف کیا ہے کہ یہ "صوفی" خود علامہ اقبال کے والد محترم تھے۔ اسی تصور کو علامہ نے بال جبریل میں یوں بیان کیا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

دروں کاری کا یہ اصول دراصل محض قرآنی نقطہ نظر کے ادراک تک ہی محدود نہیں ہے۔ اسے علم و آگہی کے تمام شعبوں تک پھیلایا جا سکتا ہے۔ کسی بھی شے' فرد یا تصور کی صحیح معرفت کے لئے موضوع اور معروض' Subject اور Object کے باہمی فرق اور فاصلے کو عبور کر کے اس سے بالاتر ہو جانا بہت ضروری ہے۔ اخلاقیات کے خصوصی حوالے سے عظیم جرمن فلسفی کانٹ نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔ اس نے کہا کہ اخلاقی کردار کا کوئی قانون میری اخلاقی زندگی میں اس وقت تک صحیح معنوں میں نافذالعمل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے بارے میں میں پورے وثوق سے یہ نہ کہہ سکوں کہ یہ میں نے خود اپنے اوپر عائد کیا ہے۔

فکر اقبال کا سرسری سا مطالعہ کرنے پر بھی یہ بات واضح دکھائی دیتی ہے کہ انہوں نے حتی المقدور اسی اعلٰی ترین سطح پر قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس کے مطالب کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے۔ بالخصوص ان کے اشعار کے تار و پود اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے قرآنی تعلیمات کو کس

طرح اپنے اوپر وارد کر لیا تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے اپنی کتاب "اقبال اور قرآن" میں علامہ اقبال کی نظم و نثر ایک جانب اور قرآنی آیات دوسری جانب کے مابین مطابقت تلاش کرنے کی تفصیلی کوشش کی ہے۔ علامہ کے فہم قرآن پر علماء کو کئی پہلوؤں سے مختلف قسم کے اعتراضات ہو سکتے ہیں لیکن خود انہیں علیٰ وجہ البصیرت پورا یقین و اعتماد تھا کہ ان کی کہی ہوئی کوئی بات روح قرآن سے متناقض نہیں ہے اور یہ اعتماد حق الیقین کی سطح پر فائز تھا۔ تبھی تو انہوں نے یہ کہنے کی جرات کی:

گردلم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
اے فروغت صبح اعصار و دہور
چشم تو بینندۂ مافی الصدور
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں را زخارم پاک کن
تنگ کن رختِ حیات اندر برم
اہلِ ملت را نگہ دار از شرم
سبز کشتِ نا بسامانم مکن
بہرہ گیر از ابرِ نیسانم مکن
خشک گرداں بادہ در انگورِ من
زہر ریز اندر مے کافورِ من
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پاکن مرا

اسی حق الیقین کی بنیاد پر علامہ نے ایک نئے علم کلام کی تشکیل کا فریضہ سرانجام دیا۔

اسلام ایک آفاقی دین ہے۔ چنانچہ اس کے اصول و قوانین اور اس کی جملہ تعلیمات تمام بنی نوع انسان کے لئے، ہر قسم کی صورت حال کے لئے اور رہتی دنیا تک کے لئے قابل فہم اور قابل عمل ہونی چاہئیں۔

چنانچہ بدلتے ہوئے عملی رجحانات اور سائنسی انکشافات کی روشنی میں الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل نو کی کاوشیں مسلم فکر کی تاریخ میں بار بار کی گئی ہیں۔ علامہ کی کوشش اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے علامہ کا فکر جدید دور کے جس مفکر کے نظریات سے قریب ترین ہے وہ ہے سرسید احمد خاں اگرچہ ان دونوں میں معنویت کا نہایت اہم اختلاف پایا جاتا ہے جس کی جانب توجہ مبذول کرنا بہت ضروری ہے۔

برصغیر کے عظیم مصلح، ماہر تعلیم اور مذہبی مفکر سرسید احمد خان (1817-1898ء) کے علم کلام کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ نیچر اور قرآن میں مکمل ہم آہنگی اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ ان کے ایک مضمون کا عنوان ہے **"الاسلام ھو الفطرہ والفطرہ ھی الاسلام"** نیچر خدا کا فعل ہے اور قرآن اس کا قول۔ اور یہ واضح ہے کہ خدا کے قول و فعل کے مابین تضاد نہیں ہو سکتا۔ اگر ان میں کبھی تضاد محسوس ہو تو اس کے قول کی تشریح و توضیح اس انداز سے کرنی چاہئے کہ وہ اس کے فعل کے مطابق ہو جائے۔ نیچر سے سرسید کی مراد مادی کائنات کا وہ تصور ہے جو اس کی معاصر یعنی انیسویں صدی کی سائنس نے پیش کیا تھا۔ اس تصور کی ایک لازمی خصوصیت یہ تھی کہ کائنات کی حیثیت خود مکتفی ہے۔ اس کے اندر معروضی طور پر علل و معلولات کے رشتوں کا ایک میکانکی نظام کارفرما ہے جس میں کسی قسم کے استثناء یا بیرونی مداخلت کی کوئی گنجائش موجود نہیں اور یہ کہ اصولی طور پر انسانی عقل اس نظام کی تمام تر تفصیلات کو دریافت کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ کائنات کے اندر ہونے والے واقعات کا یہ داخلی جبر خدا اور کائنات کے مابین تعلق کی نوعیت کو بھی متعین کر دیتا ہے۔ خدا نے

کائنات کو پیدا کیا اور اس کے ساتھ ہی ان قوانین کو بھی پیدا کر دیا جو اس کے مختلف شعبوں میں کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ خدا چونکہ خود تمام نقائص سے پاک ہے اس کی تخلیق بھی ہر لحاظ سے مربوط اور مکمل ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا قلب ماہیت کی ضرورت نہیں چنانچہ خدا کاروبار کائنات میں کبھی دخل اندازی نہیں کرتا۔ معروف معنی میں کہا جا سکتا ہے کہ "معجزات" کا کوئی امکان نہیں۔ قرآن حکیم میں جن "معجزات" کا ذکر ہے اگر بنظر غور دیکھا جائے تو یا وہ معمول کے واقعات تھے یا انہیں محض نفسی کیفیات کو بیان کرنے کے استعاراتی انداز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس نقطہ نظر کے لئے فلسفے میں نیچرلزم کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ سرسید نیچری کے نام سے مشہور تھے بلکہ وہ خود اپنے لئے یہ نام استعمال کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ خدا اور کائنات کے باہمی تعلق کے حوالے سے اسے Deism کی مابعد الطبیعیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآنی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے معاصر فکری رویوں کی آب و ہوا میں سانس لینا ایک فطری امر ہے۔ لیکن اس آب و ہوا کو اگر مقدم الذکر کے مفاہیم کا تعین کرنے کا مکمل اختیار دے دیا جائے تو اس طرح قرآن کی حیثیت ثانوی ہو جائے گی جو یقیناً قابل قبول صورت حال نہیں۔ قرآن حکیم کی تفسیر و تاویل کا کوئی طریق کار بھی اختیار کیا جائے اسے بدلتے ہوئے سماجی، سائنسی رویوں کے تابع بہرحال نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے دیکھا ہے کہ سرسید احمد خاں نے انیسویں صدی کی سائنس کے پس منظر میں مسلم علم کلام کی تشکیل کا فریضہ سرانجام دینے کی کوشش کی۔ علامہ اقبال کا تعلق چونکہ بیسویں صدی سے ہے انہوں نے اس مقصد کے لئے بیسویں صدی کے پس منظر کو استعمال کیا ہے۔ ان کے نزدیک فطرت کے مظاہر جو مختلف اثباتی سائنسی علوم کا موضوع بحث ہیں اس قدر معتبر اور Authentic ہیں کہ ان کی عمومی نوعیت کو مذہبی واردات کی صحت کا ایک معیار قرار دیا جا سکتا ہے (جبکہ دوسرا معیار ان واردات کے افادیتی پہلو سے عبارت ہے)۔ علامہ نے اس معیار کا فلسفیانہ معیار کے نام سے اپنی کتاب "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے دوسرے باب میں اطلاق بھی کیا ہے۔ جدید ماہرین طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات (جو بالترتیب مادہ، حیات اور ذہن کا مطالعہ کرتے ہیں) کی تحقیقات کے حوالے سے نتیجہ برآمد کرتے ہوئے علامہ رقمطراز ہیں کہ "جب ہم اپنے محسوسات و مدرکات کے جملہ حقائق پر efficient self اور appreciative self دونوں پہلوؤں سے ایک جامع اور گہری نظر ڈالتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ حقیقت مطلقہ ایک بالبصر اور خلاق مشیت ہے جس کی تعبیر ہم انا کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم اس کا قیاس ذات انسانی پر کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب محض یہ ہے کہ زندگی جیسا کہ ہمیں اس کا تجربہ ہو رہا ہے کسی بے صورت روانی کا نام نہیں بلکہ ایک مربوط اور منظم وحدت، ایک ائتلافی فعالیت ہے جو ایک زندہ عضویے کے انتشار پذیر میلانات کو سمیٹتے ہوئے انہیں کسی مقصد کی خاطر ایک نقطے پر لے آتی ہے"۔ علامہ اقبال کے نزدیک قرآنی الٰہ کا تصور بھی یہی ہے۔

چنانچہ سرسید احمد خاں کی طرح علامہ اقبال نے بھی فطرت اور خالق فطرت کے مابین ہم آہنگی اور مطابقت کو اپنے علم کلام کی بنیاد بنایا ہے۔ علامہ کے نزدیک عالم فطرت مادے کا کوئی بے ترتیب انبار نہیں

بلکہ "حوادث کا ایک نظام اور کردار کا ایک باترتیب انداز ہے اور یوں حقیقت مطلقہ سے نامی طور پر وابستہ ہے۔ فطرت کو ذات الٰہیہ سے وہی نسبت ہے جو سیرت اور کردار کو انسانی ذات سے۔ "قرآن نے نہایت خوبصورتی سے اس کے لئے "سنت اللہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ "عالم فطرت حقیقت مطلقہ کی تخلیقی فعالیت کی وہ تعبیر ہے جو ارتقاء کی موجودہ منزل میں ہم خود اپنے نقطہ نظر سے کرتے ہیں"۔

فطرت اور خالق فطرت کے مابین ہم آہنگی اور مطابقت کے بارے میں علامہ اقبال کا نقطہ نظر سرسید کے نقطہ نظر سے ایک نہایت اہم لحاظ سے مختلف ہے۔ سرسید نے، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، انیسویں صدی کی دریافت کردہ سائنسی جبریت کو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ قرآن حکیم کے پیش کردہ تصورات میں پڑھنے کی کاوش کی تھی۔ اس اور اس نوعیت کی دوسری کاوشوں میں اصولی طور پر نقص یہ ہوتا ہے کہ جب سائنسی ارتقاء کے نتیجے کے طور پر ان دریافتوں کی نوعیت بدلتی ہے تو پھر قرآنی آیات کے مفہوم کو بھی اسی مناسبت سے تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ اس رویے سے اس بنیادی سچائی کی نفی ہوتی ہے کہ قرآن کی ایک اپنی داخلی منطق ہے جس کی روشنی میں ہی اسے سمجھنا چاہئے اور یہ کہ اس کی تفہیم کسی خارجی منطق کی محتاج نہیں علامہ کی نظم و نثر دونوں میں اس داخلی منطق کا بھرپور احساس دکھائی دیتا ہے۔ ان کے فکر کے عمومی مزاج سے اس حقیقت کا پتہ ملتا ہے کہ قرآن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جس کے پیش کردہ ابدی حقائق کی جانب فطرت صرف بھرپور اشارات مہیا کرتی ہے۔ یہ فطرت باہر کی مادی کائنات کے سوانح، ہمارے اندر کے ذہن و روح کے حوادث یا پھر قوموں کے عروج و زوال کے واقعات پر مشتمل ہو۔۔ بہرحال ہستی باری تعالیٰ کی نشاندہی کرتی ہے۔ خود قرآن حکیم کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ اس میں بارہا ان تمام مظاہر پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جس طرح قرآن کی آیات خدا کی جانب ہدایت اور رہنمائی مہیا کرتی ہیں اسی طرح ان مظاہر کو آیات یعنی نشانیاں کہا گیا ہے۔ گویا قرآن اور فطرت میں ہم آہنگی محض اس بات پر ہے کہ دونوں اپنی اصل الاصول کے اعتبار سے ایک ہی سمت رہنمائی کرتے ہیں اس بنا پر نہیں کہ ان میں اپنی محسوس صورت کے اعتبار سے مطابقت پائی جاتی ہے۔

فرمانِ قائد

"میں نہ کوئی مولوی نہ ملا نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔"

(عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن-1941ء)

(طلوع اسلام جنوری 48ء صفحہ 55)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

دور جدید کے صالحین

"جیسا کہ طلوع اسلام میں اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ لکھا گیا تھا۔ ہمارے دور سے پہلے ارباب مذہب کی یہ کیفیت تھی کہ وہ فریق مخالف کے معتقدات اور خیالات کو من و عن نقل کرتے تھے اور پھر ان کی تردید کرتے تھے۔ یہ چیز دیانتداری پر مبنی تھی لیکن ہمارے دور میں ان لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ گروہ امت کے منتخب صالحین کا گروہ ہے۔ لیکن ان کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ فریق مخالف کے متعلق اپنے ذہن سے خیالات وضع کرتے ہیں اور پھر ان کی بنا پر اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ فریق مخالف لاکھ کہے کہ یہ میرے خیالات نہیں ہیں لیکن یہ اس کی کسی بات کو اپنے قارئین کے سامنے نہیں آنے دیتے اور اپنے پروپیگنڈے کو بدستور جاری رکھتے ہیں۔ یہ ہے وہ وطیرہ جو کچھ نام نہاد صالحین نے طلوع اسلام کے خلاف اختیار کر رکھا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ خود ہی ذہن میں کچھ فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور پھر اس فیصلے کی بناء پر طلوع اسلام کو مورد طعن و تشنیع بنا دیا جاتا ہے یا بڑے ہی آرام سے طلوع اسلام کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ نہ طلوع اسلام کو خبر ہوتی ہے کہ اس کے کس جرم کی پاداش میں اس کے خلاف زہر اگلا گیا ہے نہ قارئین جان پاتے ہیں کہ معاملہ کیا ہے۔ ہم اپنے ان کرمفرماؤں سے بصد ادب گزارش کریں گے کہ طلوع اسلام کے خلاف زہر اگلنے یا فتوے صادر کرتے وقت کم از کم طلوع اسلام کی ان تحریروں کو معہ سیاق و سباق اور حوالہ جات' من و عن شائع کرنے کی تکلیف بھی گوارا کر لیا کریں تاکہ عامتہ الناس خود بھی فیصلہ کر سکیں کہ کون حق پر ہے اور کون زیادتی کر رہا ہے۔ محض یہ کہہ دینا کہ طلوع اسلام کی پیش کردہ بعض وضاحتیں اسلامی عقیدے کے منافی ہیں لہٰذا وہ کافر ہیں ایک ایسا فعل ہے جس کی اسلام کہیں اجازت نہیں دیتا۔

طلوع اسلام کا مقصد و مسلک ہر دوسرے تیسرے مہینے مسلسل شائع ہو رہا ہے اس کے لاکھوں پمفلٹ عوام کے پاس محفوظ ہیں۔ مجلہ طلوع اسلام اور علامہ پرویزؒ کی درجنوں کتب مارکیٹ میں ہر جگہ دستیاب ہیں۔ طلوع اسلام کی کوئی بات اگر نئی ہے تو یہ کہ طلوع اسلام کی کاوشوں سے ملک میں قرآنی فکر عام ہو رہی ہے جس کی وجہ سے طلوع اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ بھی تیزی سے بڑھایا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض طبقوں میں اس کی شدت اشتعال تک پہنچا دی جاتی ہے۔ ہمیں اس پر کبھی اعتراض نہیں ہوا کہ جو کچھ ہم پیش کرتے ہیں اس سے اختلاف کیوں کیا جاتا ہے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ خدا کی طرف سے وحی ہے' جس سے کسی کو اختلاف کا حق حاصل نہیں۔ جو کچھ ہم پیش کرتے ہیں وہ قرآن کریم کی تعلیم کو سمجھنے کی انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس میں سہو بھی ہو سکتا ہے اور خطا بھی۔ جو شخص ہمیں ہماری کسی غلطی پر متنبہ کرتا ہے' ہم اس کے شکر گزار ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنی بات کی تائید میں قرآن کریم کی سند رکھتا ہو۔

چاروں طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ

- مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے ثابت کر دیا ہے کہ دو قومی نظریہ غلط ہے۔
- قائداعظمؒ نے خود اپنی 11 اگست کی تقریر میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔
- قومیت کا مدار وطن کی جامعیت ہے نہ کہ ایمان (نظریہ) کا اشتراک۔
- مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہیئے ورنہ رہا سہا پاکستان بھی ختم ہو جائے گا۔
- انسانی زندگی میں کوئی قدر نا قابل تغیر نہیں۔ ہمیں اپنے فیصلے حالات کے مطابق کرتے رہنا چاہیئے۔
- اگر ہم پاکستان کی سلامتی چاہتے ہیں تو بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن کر لینی چاہیئے۔
- پاکستان میں متعدد قومیں بستی ہیں اس لئے صوبجاتی خود مختاری ضروری ہے۔
- قائداعظمؒ زندہ ہوتے تو وہ اسی قسم کا پاکستان بناتے۔

سوال یہ ہے کہ

اگر قائداعظمؒ زندہ رہتے تو وہ کس قسم کا پاکستان چاہتے ----- بالفاظ دیگر قائداعظمؒ کے تصور کا پاکستان کیا تھا؟

یہ وقت کا نہایت اہم سوال ہے۔ جس کے صحیح جواب پر پاکستان کے مستقبل کا دارومدار ہے اور یہ جواب قائداعظمؒ کے تحریک پاکستان کی دینی اساس سے متعلق ذاتی مشیر اور تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ علامہ پرویز کی تالیف میں ملے گا۔ جس کا عنوان ہے۔

قائداعظمؒ کے تصور کا پاکستان

ضرورت ہے کہ اسے قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ میں عام کیا جائے کہ پاکستان کے مستقبل کا انحصار ہی ان کے زاویۂ نگاہ کی درستی پر ہے۔

☆☆☆ قیمت سٹوڈنٹ ایڈیشن =/100 اعلیٰ ایڈیشن =/200 ☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

روزہ کے احکام

چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ قریب آرہا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ (معمول کے مطابق) قرآن کی رو سے روزے کے احکام مختصر الفاظ میں بیان کر دیئے جائیں۔ یہ احکام سورہ بقرہ میں آئے ہیں۔ متعلقہ آیات یہ ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ (2/183)۔ "اے پیروان دعوت ایمانی! جس طرح تم سے پچھلی قوموں پر روزہ فرض کیا گیا تھا۔ اسی طرح تم پر بھی روزہ فرض کر دیا گیا ہے تاکہ تم قانون خداوندی کی نگہداشت کر سکو"۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ط "یہ روزے چند گنے ہوئے دنوں کے ہیں"۔

فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ط "پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے"۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ط "اور جو لوگ بدشواری روزہ رکھ سکیں ان کے لئے روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے"۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ____ "روزے رمضان کے مہینے کے ہیں جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے"۔

فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ط (2/183-185)۔ "لہٰذا تم میں سے جو کوئی اس مہینہ میں اپنے گھر پر موجود ہو تو اسے اس مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں۔ البتہ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو ___ تو وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے"۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ج (2/187)۔ "اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے متمیز ہو جائے۔ پھر رات تک روزہ پورا کرو"۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ط (2/187)۔ "اور تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے اختلاط حلال کیا گیا ہے"۔

ان آیات سے معلوم ہو گیا کہ:

1- روزے رمضان کے مہینے کے ہیں (تین دن یا نو دن کے نہیں بلکہ پورے مہینے کے)

2- روزے میں، اس وقت سے لے کر جب صبح کی سفیدی نمودار ہو جائے، دن کے ختم ہونے تک کھانا پینا اور بیوی سے اختلاط منع ہے۔

3- روزے اس کیلئے ہیں کہ جو اس مہینہ میں

اپنے گھر پر موجود ہو اور تندرست ہو۔ مریض تندرست ہونے پر اور مسافر سفر سے واپسی پر دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔

4۔ اب ایک شکل اور باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص (عام عرفی معنوں میں) نہ تو بیمار ہے اور نہ مسافر ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اسے روزے رکھنے دشوار ہیں۔ مثلاً ایک بوڑھا آدمی اپنے گھر پر موجود ہے اور مریض بھی نہیں لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کمزور اتنا ہے کہ بمشکل روزہ رکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔ ایسے لوگوں کا حکم' شق نمبر 4 میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ ایسے ہوں کہ بمشکل روزہ رکھ سکتے ہیں انہیں اپنے آپ کو دشواری میں ڈالنے کی ضرورت نہیں وہ روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

غور فرمایئے! اوپر کی چاروں شقوں میں ہر قسم کے حالات جمع ہو گئے ہیں اور یہی احکام کی جامعیت کا تقاضا تھا۔

ہم نے **وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ** کا ترجمہ -- وہ لوگ جو بدشواری روزہ رکھ سکیں--- کیا ہے۔ حالانکہ اس کا عام ترجمہ-- اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں---- کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس ترجمہ کی رو سے مطلب یہ ہو گا کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ وہ تو ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہ ہو وہ روزے رکھا کریں۔ حالانکہ قرآن کا منشاء یہ نہیں ہو سکتا۔

بات یہ ہے کہ لفظ "طاقت" کا جو مفہوم ہمارے ہاں اردو میں رائج ہے وہ اس سے مختلف ہے جو عربی زبان میں اس کا مفہوم ہوتا ہے۔ ہمارے مترجمین نے عربی کے لفظ 'طاقت' کا ترجمہ اردو کے لفظ "طاقت" سے کر دیا۔ ان دونوں زبانوں کے مفہوم میں جو فرق تھا اسے نظر انداز کر گئے۔ عربی زبان میں اس لفظ کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔ اس کے لئے عربی زبان کی لغات دیکھئے۔ محیط المحیط جلد دوم ص 1304 میں ہے۔

"طاقت کے معنی کسی چیز پر قدرت رکھنا ہیں۔ لیکن یہ قدرت کی ایسی مقدار کو کہتے ہیں کہ جسے انسان بمشقت کر سکتا ہے۔ دراصل یہ لفظ اس طوق سے ماخوذ ہے جو کسی چیز کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ **لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ** کے معنی یہ نہیں کہ جس کی ہمیں قدرت نہ ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کا بجا لانا ہمیں دشوار ہو"۔

اس طرح عربی کی مشہور لغت لسان العرب ص 103 جلد 12 میں ہے کہ

"طاقت قدرت کی اس مقدار کا نام ہے جو کسی انسان کے لئے بہ مشقت کرنا ممکن ہو"۔

مفتی محمد عبدہ' اپنی تفسیر المنار ص 155 جلد نمبر 2 میں فرماتے ہیں۔

"اطاقتہ دراصل مکنت اور قدرت کے بالکل ادنیٰ درجہ کا نام ہے۔ چنانچہ عرب اطاقت الشیئی صرف اس وقت کہتے ہیں جب اس کی قدرت نہایت ہی ضعیف ہو۔ یعنی بدشواری اسے برداشت کر سکتا ہو۔ چنانچہ یطیقونہ' سے مراد بوڑھے' ضعیف اور اپاہج لوگ ہیں جن کے اعذار کے دور ہو جانے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ لوگ ہیں جو ان

ہی کی طرح معذور ہیں یعنی ایسے کام کاج کرنے والے لوگ جن کی معاش خدا نے پرمشقت کاموں میں رکھ دی ہے۔ اسی بنا پر امام راغب نے لکھا ہے کہ طاقت قدرت کی اس مقدار کا نام ہے جس کا کرنا انسان کے لئے بمشقت ممکن ہو"۔

اس کی تائید تفسیر کشاف سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ:-

"طاقتہ کے مفہوم میں وہ کام آتے ہیں جنہیں بہ تکلیف یا بہ مشقت کیا جا سکے اور وعلی الذین یطیقونہ' سے مراد بوڑھے' مرد اور بوڑھی عورتیں ہیں۔ جن کے لئے روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ہے چنانچہ اسی بناء پر یہ آیت ثابت ہے منسوخ نہیں ہے"۔ (تفسیر کشاف ص 255 جلد نمبر1)

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

"عربی زبان میں الوسع کا لفظ اس قدرت کا نام ہے جو سہولت کے ساتھ ہو اور طاقتہ کا لفظ اس قدرت کا نام ہے جو شدت اور مشقت کے ساتھ ہو۔ لہٰذا (آیہ زیر نظر) کے معنی یہ ہوں گے اور ان لوگوں پر جو شدت اور مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہیں ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے"-----

(روح المعانی ص 59 جلد نمبر2)

تصریحات بالا سے آپ نے دیکھ لیا کہ عربی زبان میں لفظ "طاقتہ" کا مفہوم کیا ہے اور اس بنا پر وعلی الذین یطیقون' کا ترجمہ--- اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں--- کر دینا کس قدر غلط فہمیوں کا موجب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کا ترجمہ--- اور جو لوگ بدشواری روزہ رکھ سکیں-- کیا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک اصول بیان کر دیتا ہے اور اسے امت کے اجتماعی نظام پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس کی جزئیات خود متعین کر لے۔ چنانچہ علی الذین یطیقونہ' میں بھی یہی اسلوب اجتماعی اختیار کیا گیا ہے۔ یہاں ایک اصول بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی تفصیلات خود بیان نہیں کیں (کہ وہ لوگ کون ہیں جو بہ مشقت روزہ رکھ سکتے ہیں) اس کی تفاصیل پہلے بھی متعین کی جا چکی ہیں اور ان پر اب بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی کی کتاب "جامع احکام القرآن" ص 268-269 جلد نمبر2 میں ہے کہ:

"تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے یا شدید مشقت کے ساتھ طاقت رکھتے ہیں۔ ان کیلئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ ایسے لوگوں کے ذمے کیا ہے؟ چنانچہ امام ربیعؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ان کے ذمے کچھ بھی نہیں ہے۔ البتہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر یہ لوگ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے اور حضرت انسؓ ابن عباسؓ قیس بن السائب اور ابوہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے ذمہ فدیہ ہے۔ امام شافعیؒ اور اصحاب الرائے (حنیفہ امام احمد اور امام اسحٰقؒ کا قول بھی یہی ہے۔ نیز ابن عباسؓ کی روائت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ام ولد سے فرمایا جو حاملہ تھی یا بچہ کو دودھ پلا رہی تھی کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو بمشقت روزے رکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا تیرے ذمے فدیہ ہے قضا نہیں"۔

مفتی سید محمد عبدہ' نے اور بھی اضافہ فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"الذین یطیقونہ' سے یہاں مراد بوڑھے' ضعیف

اور اپاہج لوگ ہیں جن کے اعذار کے دور ہو جانے کی امید نہیں ہوتی۔ ایسے ہی وہ لوگ بھی ان کے زمرے میں شمار ہونگے جو مزدور پیشہ ہوں جن کی معاش خدا نے پرمشقت کاموں میں رکھ دی ہے۔ مثلاً کانوں سے کوئلہ نکالنے والے اور وہ مجرم جن سے قید خانوں میں مشقت کے کام لئے جاتے ہیں اور جن پر روزہ رکھنا گراں ہو۔۔۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن پر کسی ایسی وجہ سے جن کے دور ہو جانے کی کوئی امید نہ ہو۔ روزہ رکھنا گراں گذرتا ہو جیسے بڑھاپا۔ اور پیدائشی کمزوری اور ہمیشہ محنت کے کاموں میں مشغولیت اور پرانی بیماری جس کے اچھا ہونے کی امید نہ ہو۔ ایسے ہی وہ شخص جس کی مشقت کا سبب ہوتا رہتا ہے جیسے حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت۔ ان سب لوگوں کیلئے جائز ہے کہ وہ روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ اتنا کھانا جو ایک اوسط درجے کی خوراک کے آدمی کا پیٹ بھر سکے"۔ (تفسیر المنار ص 155-157 جلد نمبر2)

ان تفاصیل سے حسب ذیل فہرست مرتب ہو جاتی ہے:

1- بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت
2- حاملہ عورتیں
3- دودھ پلانے والی عورتیں
4- اپاہج اور معذور لوگ
5- پرانی بیماریوں والے جن کے اچھا ہونے کی امید نہ رہے اور وہ ان کی وجہ سے روزہ بمشقت رکھ سکیں۔
6- ایسے کمزور لوگ جو خلقی اور پیدائشی طور پر (Constitutiona·ly) کمزور پیدا ہوئے ہوں۔
7- وہ مزدوری پیشہ لوگ جن کی معاش ہمیشہ پرمشقت کاموں میں ہوتی ہے مثلاً کانوں میں کام کرنے والے کارخانوں میں کام کرنے والے یا رکشہ چلانے والے۔
8- وہ مجرم جن سے جیل میں مشقت کے کام لئے جاتے ہوں۔

یہ فہرست جامع اور مانع نہیں۔ بحالات موجودہ اپنے اپنے حالات کے مطابق اس میں اضافہ ہو سکتا ہے' اصول یہی ہے کہ جو شخص بہ مشقت روزہ رکھ سکے وہ روزہ نہ رکھے۔

یہ ہیں روزوں کے متعلق مختصر الفاظ میں قرآن کے احکام۔ ان آیات کو آپ خود بھی قرآن کریم میں دیکھ لیں۔ (یعنی سورۂ بقرہ آیات نمبر183 تا 188)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (لاہور)

میں نے پاکستان بنتے دیکھا ہے

میں نے پاکستان بنتے دیکھا ہے' جب یہ تحریک عروج پر تھی میں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا' اردگرد کا شعور رکھتا تھا' کہانیاں لکھتا تھا۔

جھوٹ نہیں بولوں گا ورنہ بڑی آسانی سے کہہ سکتا تھا' میں جلسوں جلوسوں میں شامل ہوتا تھا' نعرے لگاتا تھا لے کے رہیں گے' بن کے رہے گا' ایسی کوئی بات نہ تھی' سچی بات ہے میں ان لوگوں میں تھا جو مسلم لیگ کو ٹوڈیوں کی جماعت سمجھتے تھے' سیکولر قسم کی سوچ رکھنے والے' بزعم خود پروگریسو۔

دو قومی نظریے کی اہمیت سے ناآشنا تھے'

اس نظریے کی اصل حقیقت تو پرویز صاحب کی تحریروں اور گفتگوؤں سے ہی سمجھ میں آئی۔ یہ نعمت پہلے میسر آجاتی تو شاید عملی طور پر بھی کچھ کیا ہوتا۔ بہرحال اس وقت کنارے پر کھڑے طوفان دیکھتے رہے اور آپ خوب جانتے ہیں'

ساحل سے تو اندازہ طوفاں نہیں ہوتا

کلکتہ' نواکھلی' بہار' گڑھ مکیتشر۔۔ ان علاقوں سے ہندو مسلم فسادات کی دل ہلا دینے والی خبریں آتیں۔۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل' اصل اندازہ' حقیقی اثر تو طبیعت نے اس وقت لیا جب خود اپنے شہر میں وارداتیں ہونے لگیں۔ ساحل پر کھڑے دیکھنے والے تو آگے نہ بڑھے' ہاں خود طوفان بڑھ کر ان تک پہنچ گیا۔

ہسپتال میں آنے والے زخمیوں اور لاشوں سے واسطہ پڑا' ہسپتال میں آنے والے ہندو' سکھ' مسلمان لیڈروں کو دیکھنے اور ان کے رویوں کے مطالعے کا موقعہ ملا' محلے میں تھڑوں پہ بیٹھے لوگوں کی باتیں سنیں' "ہسپتال سے آئے ہو' کیا سکور رہا؟" لوگ چھتوں پہ چڑھ کر دور اٹھتے ہوئے دھوئیں کو دیکھ کر کہتے' کیوں بھئی کہاں ہو گی یہ آگ؟ گلی وان وٹاں' چوہٹہ' شاہ عالمی'۔۔ پوربیوں کا کوچہ' گلی سرین' بھارت نگر۔۔۔ اور پھر جلد ہی مجھے دوسرے چند ساتھیوں کے ہمراہ قصور میں ریفوجی ڈیوٹی پہ بھیج دیا گیا' دن رات لٹے پٹے زخمی' بے حال مہاجرین کی زبانی دل ہلا دینے والی کہانیاں سننے کا موقع ملا۔۔

48 میں میں ایک چھوٹا سا ناول بھی لکھ چکا تھا' اس میں ان دنوں کا بھی ذکر ہے' وہ ایک محفوظ ریکارڈ ہے جو لکھنے والے کی سوچ کا مظہر ہے' سنئے ابھی یہ کچھ کچھ سیکولر ہیومنسٹ بول رہا ہے۔

"ایک شخص یونہی راہ چلتے کسی اجنبی کے چھرے یا گولی کا شکار ہو جاتا ہے جس سے اس کی دشمنی تو کیا واقفیت تک نہیں۔ اس شخص کو نام دینے سے حادثے کی نوعیت میں کیا فرق آجائے گا۔ فرض کرو یہ شخص ایک بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا جسے اس نے زندگی کی تمام محرومیوں کا بدل' مستقبل کی تمام امیدوں کا مرکز سمجھ کر پالا تھا۔ اس ماں کے دکھ کو' اس غم کو کاندھا دیتے یہ

ساری کائنات کانپ نہ اٹھے گی' اس سے کوئی فرق نہ آئے گا کہ یہ ماں عذرا تھی یا جمنا' سریندر کور تھی یا عائشہ!

بے گھر' بے در' بے بس زخموں سے چور' قافلہ در قافلہ گنڈا سنگھ والا کے راستے آرہے تھے' میں اور میری دو ساتھیوں کے ذمے کالرہ سنٹر سیٹ کرنے کی ڈیوٹی دی گئی۔۔ لوگ غموں اور زخموں کے علاوہ ہیضے سے مرنے لگے کیونکہ مریض زیادہ تھے اور سہولتیں کم!

پچاس سال گزر چکے ہیں مگر آج بھی ذہن پہ زور دوں تو سینما سکرین پہ چلنے والی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے شکلیں' آوازیں سبھی تازہ ہو جاتی ہیں۔

"دور کہیں سے کسی بڑھیا کی چیخ کانوں سے ٹکراتی ہے "ہائے میری جنتے! او میرے سامنے اوہنوں چک کے لے گئے' تہاڈا ککھ نہ روے۔۔ اور پھر بوھیا کی آواز ڈوب گئی اور کہانی آنسوؤں کے سپرد ہو گئی۔۔۔

سفید داڑھی والا بابا رو رہا ہے۔۔۔ سیدھی لڑائی ہوتی تو نمٹ لیتے مگر جتوں کا پولیس اور فوج سے کیا مقابلہ' بنتا سنگھ چار دفعہ کشتی میں' کبڈی میں میرے رحمت سے پٹ چکا تھا میرا رحمت اسی کے ہاتھوں مارا گیا' ان کے پاس ہتھیار جو تھے' یہ تاریخ کی شاید سب سے بڑی ہجرت تھی۔ اب اس نوجوان ڈاکٹر کا احساس جاگ چکا تھا' اب وہ ملت کے ایک حساس فرد کی طرح سوچ رہا تھا۔ وہ لکھتا ہے۔

"اس حادثے کو برداشت کرنے کے لئے اس نظام کو بدلنا ہو گا ورنہ یہ حادثہ اس نظام کے لئے سانحہ بن جائے گا۔ اب وہ ان لوگوں کی باتوں سے جان چکا تھا کہ وہ لوگ کس جذبے کے تحت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان آرہے تھے۔

"ان میں سے کسی سے پوچھ لو جس کا گھر لٹ چکا ہے' جس کے بیٹے کام آچکے ہیں' جس کی بیٹی اس سے چھین لی گئی ہے۔ اسے اب بھی اپنے اللہ پر بھروسہ ہے' وہ اب بھی شکر کرتا ہے کہ وہ ایمان تو بچا لیا ہے' جو اس سرزمین میں محفوظ ہے"

لیکن اس وقت بھی اس کے دل میں یہ خیال آیا تھا' "مگر یہ ایمان کب تک اس کا ساتھ دے سکے گا' اگر اس ایمان والے دیس میں اس کا حصہ چند سرمایہ دار ہضم کر گئے' اسے مکان ملا' نہ روٹی' نہ کھوئی ہوئی عزت"۔

اب یہ نوجوان ڈاکٹر پاکستان کی اہمیت سمجھ چکا تھا' وہ کہتا ہے "اس سب کا مقصد ایک نیا طریق حیات رائج کرنا تھا' دنیا کو امن و آشتی' صلح و سلامتی کا پیغام دینا تھا' مساوات کا نمونہ دکھانا تھا' عدل و انصاف کی مثالیں پیش کرنا تھیں' یہ خطۂ زمین جس کے لئے بوڑھے نے رحمت سے محروم ہونا برداشت کیا' جسے بڑھیا نے جنت کھو کر پایا ہے یوں ضائع نہ ہونے دیں گے' اسے جنت بنانا مقصود ہے"

پچاس سال پہلے یہ سب میں بول رہا تھا۔۔۔ آج بھی میں اسی امید پہ زندہ ہوں۔

قائداعظمؒ نے فرمایا

"اگر ہم قرآن مقدس سے تحریک اور ہدایت حاصل کریں تو میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آخری فتح ہماری ہو گی"

(طلوع اسلام فروری 59ء صفحہ 69)

20. The herald of Tolu-e-Islam is its regular monthly journal "Mahnama Tolu-e-Islam", published by Idara Tolu-e-Islam, Lahore. It was issued for the first time in 1936 by Mr. Nazir Niazi, a close friend and confidant of Allama Mohamed Iqbal.

باغبان ایسوسی ایشن

(قدر مشترک "قرآن اور اردو") --- ریزولیوشن نمبر 19 مورخہ 98-11-09

"پاکستان میں موجود 73 مذہبی فرقے اور 107 سیاسی پارٹیاں جن تین باتوں پر کلی طور پر متفق ہیں وہ ہیں۔

1- قرآنی قوانین 2- اردو زبان 3- عزت کی روٹی

حکومت پاکستان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ کم از کم ان تین باتوں کو تو قانونی تحفظ دیکر ان کے عملی نفاذ کا اہتمام کرے۔

ملک حنیف وجدانی

صدر باغبان ایسوسی ایشن

معرفت P.O موہڑہ سیداں' مری -- پوسٹ کوڈ نمبر 47224

۲۵ سالہ تجربہ کار

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ھاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ھیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸

۲۴۲۷۵۳۷-۲۴۳۱۰۲۵

فیکس نمبر: ۲۴۱۹۷۸۲

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

the main purpose of life and is considered to be an individual's foremost obligation and responsibility.

13. Tolu-e-Islam considers every human being who strives for the betterment of humanity as being venerable and esteemed. All such actions are praiseworthy as they contribute to the security and prosperity of the Muslim Ummah as well as mankind at large.

14. 14. Tolu-e-Islam is essentially an educational movement which aims to explain the teachings of the Holy Quran and the practices of Prophet Mohammed (Peace be upon him). It does so on a scientific and rational basis, as against dogmatism.

15. Tolu-e-Islam itself is neither a political party nor a religious sect and does not intend to introduce a new sect. Rather, it condemns sectarianism. Tolu-e-Islam negates the division of Ummah into sects, and considers this to be not in conformity with Allah's directives (3:104) and the Prophet's (Peace be upon him) Sunnah

16. Those who embrace the efforts of Tolu-e-Islam with deep sincerity, try their utmost to publicise these. Their organisational set-up at the local level is called "Bazm Tolu-e-Islam". Such Bazms are currently in active operation in many major cities around the world

17. Tolu-e-Islam does not preach any new creed, and follows the doctrine of 5-Times *Salat*, a month of *Soum, Zakat* and *Haj* and all other such Muslim practices. It only promotes the Holy Quran and the teachings of the Holy Prophet (Peace be upon him). Tolu-e-Islam members do not recognise any particular scholar or religious order, and do not interfere with people's practices in pursuing their faith. They work together by mutual consensus in the light of Quranic principles.

18. Whatever Tolu-e-Islam presents is discussed openly, and there is no individual vested interest involved. Its efforts at present are concentrated towards the rational understanding of the eternal values and teachings of the Holy Quran. Such an attempt may be subject to errors of judgement. We would be obliged to whosoever cautions us about any such faults, provided that he or she has evidence from the Holy Quran to support such claims.

19. The literature distributed by Tolu-e-Islam is printed and published by Tolu-e-Islam Trust (Lahore), which is an organisation registered under the laws of the State of Pakistan.

nations. On the other hand the society based on the Holy Quran embraces divine values. As such, where as secularism promotes only worldly comfort and pleasures the Quranic system gives assurance of a prosperous existence in this world and in the hereafter. Therefore Tolu-e-Islam does not believe Islam to be merely a religion; rather it considers Islam to be a way of life ordained by divine values.

9. A salient feature of the Quranic system is the freedom of the individual, whereby no one is subordinate to another fellow-being. Everyone walks with confidence and has intellectual and social freedom. Man is free from restrictions, except those imposed by divine laws. Every individual has equal opportunity to develop his or her latent talents and capabilities. In this way, having successfully completed one's self-development, one can expect to attain Allah's blessing's in this world and in the hereafter.

10. Allah has bestowed all means of sustenance and natural resources on mankind. No individual can claim these as one's own. Society's practices and laws should ensure that benefits from these are equally available to all individuals. Every body except for the young, very old or disabled has to work and earn his living through honest means. It is the responsibility of the Islamic state to ensure that each individual is rewarded for his or her efforts. In fact the system should be such that this reward is sufficient to fulfil an individual's needs, without one person exploiting the fruits of another.

11. The economy of an Islamic state should not be based on forced taxation but rather the system should encourage the voluntary submission of an individual's surplus wealth for the benefit of the entire society. This would enable the Islamic state to invest in projects which would uplift the nation, ultimately leading it to progress and prosperity. The care of the weak, old, disabled and the unemployed can thus be guaranteed, as is stipulated in the Holy Quran (51:19). In such a system financial assistance, interest free loans, and cultural growth which can benefit human development, are encouraged. Economic affairs and relations with non-Muslim nations would be determined on the basis of bilateral> Transfer interrupted!">

12. In the Quranic educational system of such a society, an individual's competitive zeal and enthusiasm are encouraged in a manner that these become the basis of co-operation and unity, rather than of confrontation. Benefit to mankind should be

5. People who out-rightly reject all Hadith are regarded by Tolu-e-Islam to be out of the fold of Islam. Hadith are words and deeds attributed to Holy Prophet (Peace be upon him), as presented by historians; and are based on verbal recollections passed down over several generations. Tolu-e-Islam asserts that Hadith or any writings about the Holy Prophet (Peace be upon him) which are in conflict with the Holy Quran; or which blemish his character; or which censure the heroic lives of his faithful companions; or which contradict facts, are doubtful and therefore cannot be relied upon. Tolu-e-Islam believes that such Hadith should neither be attributed, nor be referred, to the Prophet of Allah (Peace be upon him) or his companions.

6. Tolu-e-Islam adjudges fabricated Hadith as being harmful to Islam and believes that these have been detrimental to the Muslim Ummah. Given the availability of contradicting sets of Hadith, every Muslim sect is under the illusion that its respective set is the right one. Each sect believes that its own existence is justified, and that the others have been led astray. It is ironic that while all sects unanimously deem the Holy Quran to be the only venerable Book of Allah, they differ in respect of the Hadith. This is a cause of dissension, and the ultimate disintegration of the Ummah.

7. According to Tolu-e-Islam, the finality of the prophet-hood of Prophet Muhammad (Peace be upon him) is the fundamental aspect of Islamic faith. Tolu-e-Islam affirms that Prophet Muhammad (Peace be upon him) is the last recipient of *Wahi* (revelation from Allah) and Messenger of Allah. The end of prophet-hood is, in fact, the great charter of man's freedom which assures him that he can lead life within the limits of an unchangeable set of values. What greater tranquillity can there be for the faithful to lead prosperous and happy lives, devoid of fear and mental agony which the possibility of ever changing legislation can cause.

8. The establishment of a society based on the Holy Quran is the objective of Tolu-e-Islam's endeavours. Accordingly, Tolu-e-Islam does not support secularism that is in vogue. Secular philosophy is based on the premise that a harmonious society, filled with beauty and justice, can only be achieved by an intelligent application of human rationale, without help from any supernatural power or divine enlightenment. In the secular system, laws and doctrines are legislated by people, and the acquisition of worldly benefits is an important objective in life. Every individual and nation gives priority to self interests and motives. This course of action, however, is the prime cause of sectarian and communal tussles between

TOLU-E-ISLAM MOVEMENT

AN INTRODUCTION

The aim and objective of the Tolu-e-Islam Movement is to remove all non-Quranic ideologies, beliefs, and practices prevalent in present-day Islam, and replace them with Quranic concepts based upon reason and rationale. Tolu-e-Islam's literature is essentially directed towards individuals who are in search of truth so that they can overcome the forces of secularism and be able to establish a pure Quranic society, wherever they may be. The words "Tolu-e-Islam", meaning "dawn" or "resurgence" of Islam, were taken from the title of a poem by the sub-continent's great Muslim philosopher and poet Allama Mohammed Iqbal.

1. According to the Holy Quran, difference of opinion is a fundamental right of human beings (64:2). Tolu-e-Islam upholds this principle, and does not insist on imposing its opinions, and expects likewise. When provided with evidence from the Holy Quran, Tolu-e-Islam willingly re-examines its opinions and yields to sound judgement.

2. Tolu-e-Islam respects all customs and practices which are in harmony with the Holy Quran and the true Sunnah (practice) of the Holy Prophet (Peace be upon him).

3. Tolu-e-Islam's understanding of the Holy Quran is not final. In fact the understanding of the Holy Quran cannot be considered final with respect to any one person or a particular time period. Just as humans change, develop over time and adjust themselves to their environment, so should the understanding of the Holy Quran. As the Holy Quran is the final message for all of eternity, we should not be limiting ourselves to the outmoded explanations provided by scholars hundreds of years ago, nor should we allow misrepresentations of Allah's true guidance to come to the fore.

4. According to Tolu-e-Islam, obedience to Prophet Muhammad (Peace be upon him) is an important obligation for each Muslim. The Holy Quran itself proclaims this (4:64). Those who differentiate between the message of Allah and the teachings and practices of his Prophet (Peace be upon him), are not in conformity with Islam(4:150-51)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مرتبہ محمد سلیم اختر)

روئیداد طلوع اسلام سالانہ کنونشن

(31 اکتوبر تا 2 نومبر 1998ء)

نہ تیز اتنی چلے، سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتا دکھائی دیتا ہے

ملک میں فکری انتشار اور ذہنی خلفشار کے نتیجہ میں جو تباہی اور بربادی ہو رہی ہے اس سے ہر قلب حساس نہ صرف پریشان ہے بلکہ اس اضطراب و پریشانی کا کوئی مداوا بھی چاہتا ہے۔ اجتماعی طور پر یہ آواز ہمارے دل کی آواز ہے کہ ہماری سوختہ بختی کی وجہ بتائی جائے اور پھر اس سے بچ نکلنے کا صحیح راستہ بھی۔ اس پس منظر میں طلوع اسلام کی تحریک وہ بنیادی اینٹ ہے جو سطح بین نگاہوں کی توجہ کا مرکز تو نہیں ہے لیکن ارباب فکر و نظر کے نزدیک اس کی اہمیت ایسی ہے کہ اگر اس بنیادی اینٹ پر عمارت کو استوار نہ کیا گیا تو مستقبل اس سے بھی تاریک تر ہوتا چلا جائے گا اور ملت اسلامیہ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جائے گی۔ طلوع اسلام کے سالانہ کنونشن ملت کو راکھ کا ڈھیر بننے سے بچانے

ہی کی تدابیر کی ایک کڑی ہے۔ اندرون ملک و بیرون ملک کے دانشور اس میں شرکت کرتے ہیں اور اس کے اجلاس متانت اور سنجیدگی سے، بغیر کسی غوغا آرائی اور جذباتی نعرہ بازی کے منعقد ہوتے ہیں۔

امسال مندوبین کی رہائش اور بزم ہائے طلوع اسلام کے اجلاس کیلئے ڈان ماڈل ہائی سکول کی عمارت میں انتظام کیا گیا تھا۔ 30 اکتوبر کی شام کو شیدائیان شمع قرآنی لاہور پہنچنا شروع ہو گئے۔ کچھ احباب براہ راست پہنچے جنہیں رات گئے جوہر ٹاؤن پہنچا دیا گیا۔

31 اکتوبر کا دن حسب سابق چیئرمین ادارہ کے افتتاحی خطاب اور بزموں کے تعارفی اجلاس کے لئے مختص تھا۔ اس سے پہلے کہ بزموں کا باقاعدہ اجلاس شروع ہوتا، قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کی دعوت پر جناب محمود اے ہارون نے تالیوں کی گونج اور تحسین و تبریک کے نغمہ ہائے تہنیت کی کیف آور فضا میں سکول کی عمارت کا افتتاح کیا۔ مہمان خصوصی جناب محمود اے ہارون کو سکول کے آڈیٹوریم میں خوش آمدید کہتے ہوئے سوسائٹی کے چیئرمین جناب حبیب الرحمان نے حاضرین مجلس کو سوسائٹی کے مقاصد، اہداف اور قرآنک ریسرچ سنٹر کی تعمیر کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ مجوزہ تعمیرات کے آرکیٹکٹ جناب خالد فاروقی صاحب نے نقشوں کی مدد سے پراجیکٹ میں شامل عمارات کی تفصیل اور تخمینہ جات پر روشنی ڈالی۔ سامعین کی اطلاع کے لئے حاجی حبیب الرحمان نے وضاحت کی کہ مجوزہ عمارات کی تعمیر کے لئے فنڈز اکٹھا کرنے کی مہم کی ابتدا کر دی گئی ہے تاہم اتنے بڑے پراجیکٹ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق تحریک کا ہر فرد دامے، سخنے، قدمے فردا" فردا" یا باہم ملکر اس میں حصہ لے۔ انہوں نے بتایا کہ کچھ افراد جن میں ڈاکٹر زاہدہ خانم درانی اور ارائیں برادران شامل ہیں پہلے ہی ایک ایک کمرہ تعمیر کرنے کی پیش کش کر چکے ہیں۔ ناظم ادارہ نے اراکین بزم کی طرف سے ایک لاکھ دس ہزار فراہم کرنے کی نوید سنا کر ادارہ کی طرف سے فنڈ جمع کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔

حاجی صاحب نے مزید بتایا کہ کوئی فرد، بزم یا بزموں کا گروپ عمارت کے جس حصے کی تعمیر کے اخراجات ادا کریگا وہ حصہ اس کے نام منسوب کر دیا جائیگا۔ مہمان خصوصی جناب محمود اے ہارون نے قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے عزائم کی دل کھول کر تعریف کی اور اس کی حوصلہ افزائی جاری رکھنے کا اعادہ کیا۔ QES کا یہ اجلاس مہمان خصوصی کی روانگی تک جاری رہا۔ سامعین میں بزمہائے طلوع اسلام کے نمائندگان کے علاوہ کنونشن میں شرکت کے لئے آنے والے مندوبین کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔

بزموں کا اجلاس شروع ہوا تو چیئرمین ادارہ جناب ایاز حسین انصاری نے اپنے طویل خطاب میں تحریک کی کارکردگی پر روشنی ڈالی اور رفتار کار بڑھانے کی ضرورت پر زور دیا۔ نمائندگان بزم نے اپنی اپنی بزموں کی مشکلات اور عزم و ہمت کی داستانیں سنائیں۔ طلوع اسلام ٹرسٹ، بزم کراچی صدر اور کویت نے چارٹوں، گرافوں اور تصاویر سے مزین خوبصورت رپورٹیں پیش کر کے حاضرین سے بھرپور داد وصول کی۔ بزموں کا یہ اجلاس دوپہر کے کھانے کے بعد بھی تادیر جاری رہا۔ چیئرمین اور ناظم ادارہ سیمینار کے سلسلے میں اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے بعد دوپہر کے اجلاس میں شامل نہ ہو سکے۔ اجلاس سے خطاب کرنے والے نمائندگان میں ایبٹ آباد سے جناب صلاح الدین صاحب،

بوریوالہ سے جناب اسلام صابر صاحب' چک 215/EB سے جناب محمد افضل صاحب' کیر سے ڈاکٹر گلزار صاحب' چنیوٹ سے جناب آفتاب عروج صاحب' چوئی زیریں سے حکیم مہر علی برمانی صاحب' فیصل آباد سے ڈاکٹر حیات ملک صاحب' گجرات سے جناب فضل کریم بھالوی صاحب' حیدر آباد سے جناب ایاز حسین انصاری صاحب' جلال پور جٹاں سے جناب غلام مصطفیٰ سالار صاحب' جہلم سے جناب غلام جیلانی صاحب' کراچی (کورنگی) سے جناب محمد سرور صاحب' کراچی صدر سے جناب محمد اقبال صاحب' کراچی سی بریز سے جناب خواجہ اعظم صاحب' لاہور سے ڈاکٹر محمد سعید چوہدری صاحب' لاہور (خواتین) سے محترمہ صالحہ نغمی صاحبہ' پبلشر جناب عطا الرحمان ارائیں صاحب' مینگورہ سے جناب محمد اقبال صاحب' ملتان سے جناب اقبال سرور صاحب' اوکاڑہ سے جناب احمد علی صاحب' پشاور سے جناب عبداللہ ثانی صاحب' رانی پور سے جناب میجر سومرو صاحب' راولپنڈی سے جناب نثار احمد صاحب' لندن سے جناب مقبول محمود فرحت صاحب' ناروے (فریڈرک) سے جناب بشیر بٹالوی صاحب' سعودی عرب سے جناب آصف جلیل صاحب اور کویت سے جناب عبدالرحمان ارائیں صاحب نے اجلاس سے خطاب کی سعادت حاصل کی۔

یکم نومبر کو ایوان اقبال کی پرشکوہ عمارت کے حسین و جمیل آڈیٹوریم میں "اقبال اور قرآن" کے موضوع پر سیمینار کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں ملک کے معروف سکالرز اور ماہرین اقبالیات کو مقالات پڑھنے کی دعوت دی گئی تھی۔ سیمینار میں شرکت کیلئے دعوت عام تھی جس کے لئے لاہور بھر میں بینرز آویزاں کیے گئے اور ہزاروں لوگوں کے نام دعوت نامے بھیجے گئے۔ سیمینار میں شرکت کیلئے مقررین 31 اکتوبر کی شام ہی کو پہنچنے شروع ہو گئے۔ جناب میجر جنرل غلام عمر صاحب کراچی سے اور کرنل غلام جیلانی صاحب اور پروفیسر فتح محمد ملک صاحب راولپنڈی سے تشریف لائے۔ ایوان اقبال کے صدر دروازے پر طلوع اسلام کے استقبالیہ بینرز متلاشیان حق کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ چیئرمین ادارہ جناب ایاز حسین انصاری صاحب' وائس چیئرمین جناب عبید الرحمٰن ارائیں صاحب' ناظم ادارہ و مدیر طلوع اسلام جناب محمد لطیف چوہدری اور ناشر طلوع اسلام جناب عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب مہمانان گرامی کا استقبال کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ بزم خواتین لاہور کی اراکین آڈیٹوریم سے باہر مندوبین کی رجسٹریشن کرتی جا رہی تھیں۔ پروگرام ٹھیک 9 بجے تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔ تلاوت کی سعادت قاری صداقت علی صاحب نے حاصل کی۔ معروف نعت خواں مرغوب احمد ہمدانی نے نعت رسول کریمؐ پیش کی۔ اس کے بعد معروف نغمہ خواں شوکت علی اور ان کے صاحب زادے عمران شوکت نے مل کر کلام اقبال پیش کیا۔ کرسیٔ صدارت پر جناب زیڈ۔ اے نظامی چانسلر سرسید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی' رونق افروز ہوئے۔ مہمانان خصوصی جناب ملک معراج خالد اور جناب محمود اے۔ ہارون تھے۔ نظامت کے فرائض بزم لاہور کے رکن جناب عاطف طفیل سرانجام دے رہے تھے۔ مقالہ نگاروں اور مقررین حضرات کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ 1- جناب طارق عزیز صاحب ممبر قومی اسمبلی 2- میجر جنرل غلام عمر صاحب 3- کرنل غلام جیلانی صاحب 4- پروفیسر ڈاکٹر محمد معروف صاحب سابق پرنسپل گورنمنٹ اسلامیہ کالج' سول لائنز' لاہور 5- ڈاکٹر نعیم احمد صاحب سربراہ شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی 6- جناب پروفیسر فتح محمد ملک صاحب 7- جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب 8- جناب ڈاکٹر وحید عشرت صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر اقبال اکادمی لاہور 9- جناب ڈاکٹر محمد

یمین صاحب سابق سربراہ شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج' لاہور 10- محترمہ صالحہ نغمی صاحب سربراہ شعبہ شماریات کینرڈ کالج، لاہور 11- محترمہ تابندہ رضوی صاحبہ' طالبہ۔ مقالات سیمینار کے انعقاد سے پہلے ہی کتابی شکل میں چھپوا لئے گئے تھے' جن کو ہال میں موجود سامعین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ وسیع و عریض اقبال آڈیٹوریم میں سامعین کی تعداد مزید بڑھی تو لوگ اوپر گیلری میں بیٹھنے لگے۔ تقاریر کا سلسلہ جاری تھا اور سامعین متانت اور انہماک سے سراپا گوش تھے کہ 1-30 بجے طعام و نماز کے وقفہ کا اعلان کیا گیا۔ کھانے کا انتظام ایوان اقبال کے بینکویٹ ہال میں کیا گیا تھا۔ بزم طلوع اسلام لاہور کے اراکین نہایت مستعدی سے مہمانوں کے خور و نوش کے انتظام و انصرام میں مصروف تھے۔ کھانے سے فراغت کے بعد مقالات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ سامعین پھر اسی انہماک سے محو سماعت ہو گئے۔ تمام مقالہ نگار اور مقررین اس بات پر متفق نظر آتے تھے کہ اقبالؒ کے افکار کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ مقالے طلوع اسلام میں شائع ہوتے رہیں گے۔

جناب معراج خالد نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ جناب علامہ غلام احمد پرویز تحریک پاکستان کے موید اور اپنے وقت کے بہت بڑے مفکر تھے۔ جناب طارق عزیز کا کہنا تھا کہ میں میخانے کی چھت پر رہتا تھا' مجھے صحن مسجد میں لانے والے علامہ غلام احمد پرویز تھے۔ آخر میں جناب زیڈ۔ اے نظامی صاحب نے خطبہ صدارت پیش کیا۔ اور انعامات و تحائف تقسیم کئے۔

کالج اور یونیورسٹی لیول کے طلباء سے ادارہ کو 17 مقالے موصول ہوئے جن میں گورنمنٹ کالج برائے خواتین (شعبہ فلاسفی) کی طالبات آنسہ حنا قمر اور آنسہ امبر حفیظ نے اول اور سوئم پوزیشن حاصل کی جبکہ پنجاب یونیورسٹی شعبہ اردو کی طالبہ تابندہ رضوی نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ علامہ اقبال کی پیش کردہ قرآنی فکر میں نمایاں دلچسپی لینے پر ٹرانی گورنمنٹ کالج برائے خواتین (شعبہ فلاسفی) نے حاصل کی۔ سب سے زیادہ شرکت کی بناء پر ٹرانی راولپنڈی شہر نے حاصل کی۔ میزبان شہر لاہور مقابلے میں شامل نہ تھا۔ مقررین اور مقالے بھیجنے والے طلباء کی خدمت میں کتابوں کے سیٹ پیش کئے گئے اور ان سب کے نام ایک سال کے لئے پرچہ جاری کر دیا گیا۔

اگلے روز 2 نومبر کو جنرل کونسل کا اجلاس ڈان ماڈل ہائی سکول میں جناب ایاز حسین انصاری چیئرمین ادارہ کی صدارت میں تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔ جس کی تفصیل بزموں کو الگ سے ارسال کر دی گئی ہے۔ اجلاس کے اختتام پر درج ذیل قرار دادیں بھی منظور کی گئیں' جن کی نقول متعلقہ افراد کو ارسال کر دی گئی ہیں۔

قرار دادیں:

(1) ادارہ کی جنرل کونسل کا یہ اجلاس گورنمنٹ کالج برائے خواتین (شعبہ فلاسفی) کی طرف سے علامہ اقبالؒ کی پیش کردہ قرآنی فکر میں بے پناہ دلچسپی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ خوش بخت ہیں وہ طالبات جنہوں نے فکر اقبال سے کسب ضیاء کیا اور مقالے لکھے اور قابل صد ستائش ہیں وہ اساتذہ جنہوں نے طلباء میں فکر اقبال سے استفادہ کی لگن پیدا کی۔ مجلہ طلوع اسلام کے صفحات ان طالبات کے رشحات قلم کے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔

(2) پچھلی کنونشن سے اب تک کچھ احباب اور ان کے لواحقین ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ طلوع اسلام کنونشن کا یہ

اجلاس ان کی وفات پر دلی رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے اور بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہے کہ اللہ مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(3) طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس صدر مملکت پاکستان سے استدعا کرتا ہے کہ آئین میں پندرھویں ترمیم کا بل منظور کرنے سے پہلے اس میں آرٹیکل 2-B کے تحت وضاحتی نوٹ حذف کرنے پر زور دے کیونکہ اس کلاز کی موجودگی میں فرقہ واریت کو آئینی جواز مہیا ہوتا ہے۔

(4) طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس، کنونشن کے انتظامات کے روح رواں ڈاکٹر محمد سعید چودھری کی خدمت میں کنونشن کے اعلیٰ انتظامات پر دلی ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور اپنے اس احساس کا اظہار کرتا ہے کہ چودھری سعید صاحب کی مساعی جمیلہ نے اس اجتماع کو فی الواقع ایک یادگار تقریب کی حیثیت دے دی ہے۔ اجلاس چودھری سعید صاحب کے علاوہ ان کے جملہ رفقائے کار اور معاونین، خاص طور پر بریگیڈیئر ریٹائرڈ تیمور افضل مرزا، کیپٹن بابر اور محترم اکرم راٹھور کی خدمت میں بھی دلی ہدیہ تشکر پیش کرتا ہے جن کے تعاون سے کنونشن کو اس قدر کامیابی ہوئی۔

(5) طلوع اسلام کنونشن اس اجتماع کی اتنی نمایاں کامیابی پر جملہ بزم ہائے طلوع اسلام کو مبارک باد پیش کرتا ہے جنہوں نے کنونشن کے انعقاد میں اس قدر دلچسپی کا ثبوت دیا اور دور دراز مقامات سے اپنے نمائندگان کو کنونشن میں شرکت کیلئے بھیجا۔ نیز ان تمام نمائندگان اور احباب کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے کنونشن کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ کنونشن کا یہ اجلاس ادارہ طلوع اسلام کے سٹاف کی کارکردگی کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

(6) طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس خادم انسانیت حکیم محمد سعید کے بہیمانہ قتل کی شدید مذمت کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس بھیانک جرم کے مرتکبین کو جلد از جلد گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

تین روزہ پربہار سرگرمیوں اور سوز و گداز کی حرارتوں سے معمور یہ اجتماع 2 نومبر کو ختم ہوگیا۔ وہ سماں جب رفقائے سفر ایک دوسرے سے گلے مل کر رخصت ہو رہے تھے بڑا ہی دردانگیز اور رقت آمیز تھا۔ ایسا نظر آتا تھا کہ محبت اور خلوص کا بے پایاں سمندر ہے جو یہاں سے وہاں تک ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پرخلوص دعاؤں اور دوبارہ ملنے کی شدید تمناؤں کے ساتھ یہ اجتماع اس آرزو کے ساتھ ختم ہوا کہ ۔

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا

کنونشن اور سیمینار کی تصاویر اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

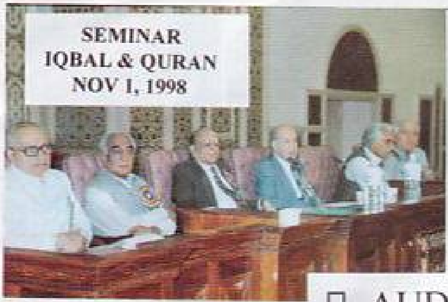
SEMINAR
IQBAL & QURAN
NOV 1, 1998

AIWAN-E-IQBAL LAHORE

⇩ AUDIENCE ⇩

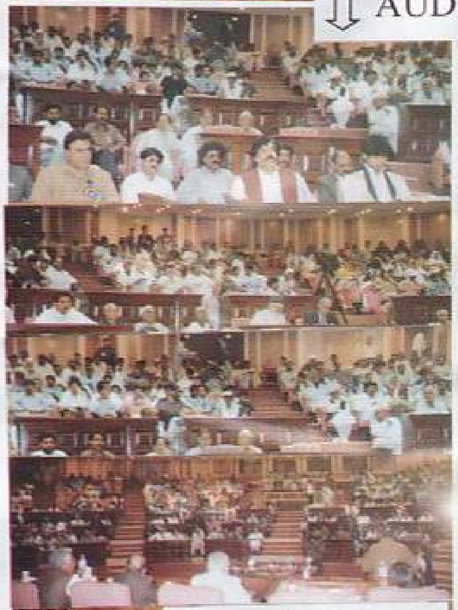

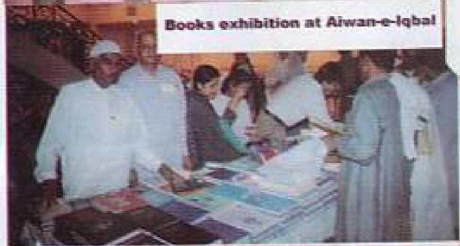
Books exhibition at Aiwan-e-Iqbal

Dr. ASLAM NAVEED

NEWLY ESTABLISHED OFFICE OF
BAZM-E-TOLU-ISLAM RAWALPINDI

Mr. Z.A.Nizami

Chancellor Sir Syed University Of Engineering & Technology - Karachi

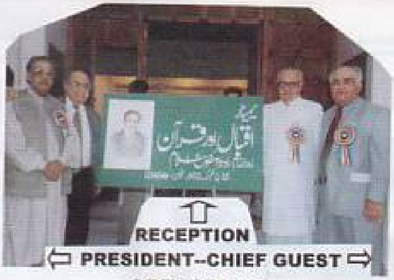

⇧ RECEPTION

⇦ PRESIDENT--CHIEF GUEST ⇨

SPEAKERS ⇩

MALIK MIRAJ KHALID

Ex Prime Minister of Pakistan

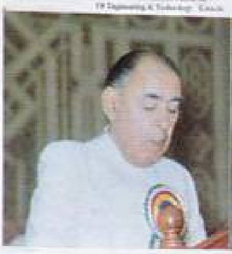

GEN (Rtd) GHULAM OMAR

LT COL(Rtd) GHULAM JILANI

Mr. TARIQ AZIZ MNA

Prof FATEH MUHAMMAD MALIK

Prof Dr. NAEEM AHMED

Prof Dr. ABDUL KHALIQ

Prof Dr. MUHAMMAD MARUF

Dr. WAHEED ISHRAF

Deputy Director Iqbal Academy

Dr. MUHAMMAD YAMEN

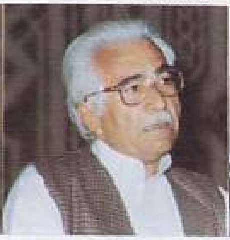

Mr. ABDULLAH SANI

MS SALEHA NAGHMI

MS TABINDA RIZVI

Mr. ATIF TUFAIL

Compere

QARI SADAQAT ALI

MR. MARGHUB HAMDANI

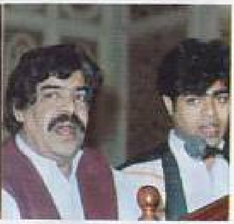

MR. SHAUKAT ALI & IMRAN

BAZMON KA IJLAS
31 OCTOBER 1998

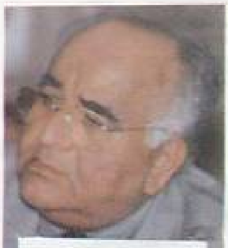
Mr. Ubed Ur Rahman Arain

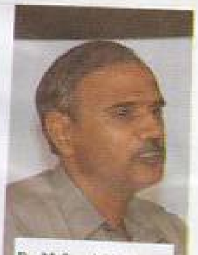
Dr. M. Saeed Chaudhery

Mr. Bashir Ahmed Abid

Mr. Maqbool Mahmood Farhat

Mian Iqbal Sarwar

Ms. Saleha Naghmi

Mr. Muhammad Iqbal

Mr. M. Aslam Sabir

Ch. Muhammad Afzal

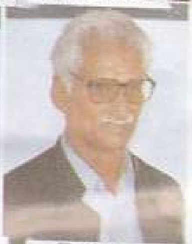
Ch. Aftab Arsoj

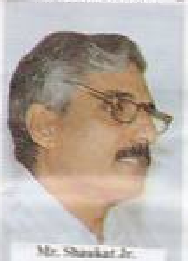
Mr. Shaukat Jr.

Hakim Mehar Ali Barmani

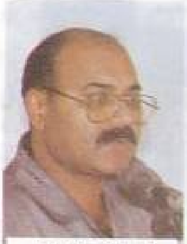
Dr. Aslam Naveed

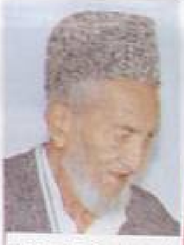
Mr. Ghulam Mustafa Salar

Mr. Ahmed Ali

Dr./Hakeem Gulzar Ahmed

Mr. Ghulam Jilani

AUDIENCE

AUDIENCE

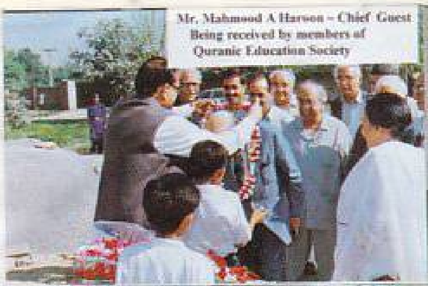

Mr. Mahmood A Haroon – Chief Guest
Being received by members of
Quranic Education Society

Haji Habib ur Rehman Chairman QES
briefing the Chief Guest

Mr. Mahmood A Haroon – Chief Guest
Being presented bouquet by a school Girl

MAIN ENTRANCE
DAWN MODEL HIGH SCHOOL

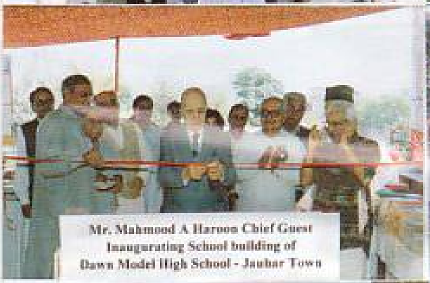

Mr. Mahmood A Haroon Chief Guest
Inaugurating School building of
Dawn Model High School - Jauhar Town

Members of Tolu-e-Islam Movement
Photographed with the Chief Guest

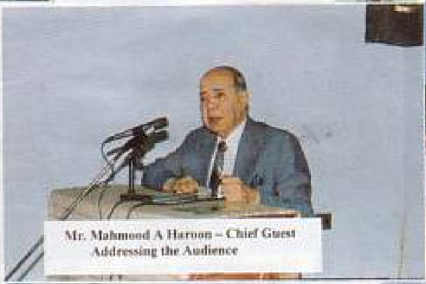

Mr. Mahmood A Haroon – Chief Guest
Addressing the Audience

Members of Tolu-e-Islam Movement

Mr. Mahmood A Haroon in chair with
Haji Habib ur Rahman Chairmain QES &
Mr. Ayaz Hussain Ansari Chairman Idara Tolu-e-Islam

AUDIENCE AT DAWN MODEL SCHOOL

UNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL ® AND QUAID-E-AZAM ®

L NO. CPL-22
OLUME : 51
SSUE : 12

Monthly
Tolu-e-Islam

AMBER—The most versatile range of single and three phase capacitors in world class quality–quality that combines Italian and Japanese technology–technology that takes the form of strict QC and performance testing at every stage of production. Manufactured to international standards and specifications.

AMBER® CAPACITORS The national name for international qualit

Our range of products include:

- Motor Start-Run Capacitors
- Fluorescent Lamp Capacitors
- Power Factor Improvement Capacitors

We also manufacture to your specifications.

AMBER CAPACITORS LIMITED

Climax House, 16-Link McLeod Road, P.O. Box 468, Lahore-Pakistan
Phone: +92 42 722 5865 & 722 6975 Fax: +92 42 723 2807 & 586 6617 Tlx: 44335 AMBER PK